بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ

حیات شیخ نذیر حسین محدث دہلوی

ایک مثالی انسان

از

پروفیسر محمد مبارک، کراچی

اہلحدیث ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
کورٹ روڈ کراچی ۱
فون نمبر ۲۱۴۸۹۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

حیات شیخ الکل السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی

از

پروفیسر محمد مبارک، کراچی

الناشر

اہلحدیث ٹرسٹ رجسٹرڈ۔ کورٹ روڈ کراچی ا

ٹیلی فون نمبر

۲۱۴۸۹۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں گذری نہ موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال ایسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو !

جس کے ذریعے ہم آج لاکھوں شخصیتوں کے حالات معلوم کر سکتے ہیں جنکی نظیر دیکھنے کیلئے چاند سورج کی آنکھیں ترستی ہیں ۔

درحقیقت یہ بھی اسلام کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے کہ اس نے نہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ، بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا تھوڑا سا تعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ سے تھا جس طرح حفاظت کی ہے وہ تمام دنیا کے لیے حیران کن ہے

اس فن پر علماء اسلام نے اس قدر بیش بہا قیمتی تصانیف تصنیف فرمائی ہیں ۔ کہ ان کا شمار کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے ۔

یہی وہ کتابیں ہیں جن سے ہم آج سلف صالحین اور محدثین عظام کے علمی و عملی کارناموں سے واقفیت اور سبق حاصل کرتے ہیں ۔

مشرق ، مغرب ، شمال جنوب میں دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں اس پاکیزہ گروہ میں سے کسی پاکیزہ شخصیت کا وہاں اثر نہ ہو ۔ برصغیر یعنی متحدہ پاکستان اور ہندوستان کی سرزمین پر جن محدثین کرام نے حدیث پاک کی خدمات انجام دی ہیں وہ نصف النہار کی طرح

درخشاں و تابندہ ہیں ۔

ان علماء حدیث میں حضرت الامام سید نذیر حسین محدث دہلوی کا اسم گرامی سرِ اوّل ہے ۔

زیر نظر کتاب اس عظیم شخصیت کے حالات پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ محترم مولینا محمد مبارک صاحب پروفیسر آف کراچی کو اجرِ عظیم سے نوازے کہ انہوں نے میاں صاحب جیسی ایسی عظیم شخصیت کی سوانح حیات لکھ کر ان کے علمی و عملی کارناموں سے روشناس کرایا ہے ۔

نیز مولانا سعید احمد صاحب (ریشمی) دارالکین مرکزی جمعیت اہلحدیث کورٹ روڈ کراچی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے میاں صاحب کی سوانح حیات کو بہترین خوبصورت انداز سے طبع کرا کر مفت تقسیم کرنے کا لائحہ عمل اختیار کیا ہے تاکہ لوگ آسانی سے میاں صاحب کی شخصیت سے آشنا ہو جائیں ۔

جزاهم الله احسن الجزاء

طالبِ دعا :

عبدالشکور اثری جامع اہلحدیث باغوالی سانگلہ ہل

۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ ۲۲ مئی ۸۶ ضلع شیخوپورہ

الشیخ سید محمد نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ

وہابی لیڈر کی حیثیت سے

اس سے قبل شیخنا و شیخ الکل میاں سید محمد نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ محدث بہاری ثم دہلوی کو صرف ایک محدث کی حیثیت سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ آج کی نشست میں "الشیخ" کو ایک سیاستدان اور مدبر کی حیثیت سے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ کسی سیاسی لیڈر کی کامیابی کا انحصار صرف اس بات پر ہوتا ہے کہ اس نے جن اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی ہے ان کا عوام میں کیا سیاسی مقام ہے اس لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ "الشیخ" نے جن اساتذہ کرام سے پڑھا یا جن کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی تاریخ میں ان کا کیا مقام ہے۔

تعلیم کی ابتدا الشیخ ۱۵ سال کی عمر میں تعلیم کے لئے اپنے آبائی وطن "سورج گڈھ" ضلع منگیر سے روانہ ہو کر صوبہ بہار کے "مدینۃ العلم" عظیم آباد پٹنہ محلہ صادق پور محلہ نمو ہیان میں شاہ محمد حسینؒ کے پاس پہنچ کر تعلیم شروع کی۔ اس مدرسہ میں مشکوٰۃ اور قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا۔

شاہ محمد حسینؒ شاہ محمد حسینؒ بن شاہ محمد معزؒ ۱۲۰۳ھ ۱۷۸۸-۸۹ء میں پیدا ہوئے انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا شاہ محمد کریمؒ سے حاصل کی، اور ان سے بیعت بھی کی۔ بعد میں اپنے پہلے مرشد کی اجازت سے سید احمد کے ہاتھ پر بھی بیعت کی۔ ان کی شادی دیورہ (ضلع گیا) کے غلام مجتبیٰ کی دختر سے ہوئی۔ اس شادی کے ذریعہ وہ بھاگلپور کے مشہور و معروف بزرگ ملا شہباز کے خاندان سے

بھی مربوط ہو گئے وہ سید احمد کے اولین خلفا میں سے تھے۔

آپ کی خلافت کے متعلق ڈاکٹر قیام الدین صاحب تحریر کرتے ہیں

سند خلافت

وہ نایاب سند جو سید احمدؒ نے ان کو دی تھی اس کی ایک نقل اب بھی موجود ہے۔

اس کے کچھ ضروری اجزاء کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اُن لوگوں کو جو راہِ خدا کے جویاں ہیں بالعموم، اور اُن لوگوں کو جو حاضر و غائب سید احمدؒ کے دوست ہیں بالخصوص معلوم ہو کہ جو لوگ بیعت کے ذریعے سے مقدس نفوس کے ہاتھوں پر بیعت کر کے مرید ہو جاتے ہیں ان کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے اور یہ موقوف ہے اس کے رسول کے احکام کی پیروی پر۔ جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ رضائے الٰہی کا راستہ شریعت رسول کے اتباع کے بغیر بھی مل سکتا ہے وہ باطل پر ہے اور فریب خوردہ ہے۔ اس کا دعویٰ غلط اور ناقابلِ التفات ہے۔ شریعت نبوی دو باتوں پر قائم ہے

اول کسی مخلوق سے خالق کی صفات منسوب نہ کرنا۔

دوم۔ ایسے رسوم و اطوار سے احتراز جو رسول اللہؐ اور ان کے خلفا کے زمانے میں رائج نہ تھے۔

پہلی شرط کے معنی ہیں (۱) عدم اعتقاد اس بات پر کہ فرشتے، ارواح پیر و مرشد استاد، طالب علم، پیغمبر یا ولی کسی مشکل کو رفع کر سکتے ہیں (۲) ان ہستیوں میں سے کسی کو کسی خواہش یا مُراد کے حاصل کرنے کے لئے مدد طلب کرنے سے اجتناب (۳) اس بات سے انکار کہ ان میں سے کسی کو مدد دینے یا ضرر کو دفع کرنے کا اختیار ہے (۴) خدا کی قدرت میں ان کو ایسا ہی مجبور و بے خبر سمجھنا جیسا اپنے آپ کو ... بلکہ ان کو محض اللہ کا حبیب سمجھنا اور ان کو رضائے حق کی راہ کا محض راہنما سمجھنا۔

دوسری شرط بدعت یعنی مذہب میں کسی جدت طرازی کو دخل نہ دینے کے معنی میں (۱) معاشرت میں ان تمام عبادات اور رسوم و عادات پر سختی سے پابند رہنا جو عہد نبوی کے معمولات تھے (۲) ایسی بدعات سے احتراز کرنا جیسے رسوم شادی، تعظیم قبور، قبروں پر بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرنا، مُردوں کی برسیوں میں صرف کثیر، تعزیہ سازی وغیرہ (۳) جہاں تک ممکن العمل ہو ان رسوم کو بند کرنا۔ ....

وہ سب لوگ جو اللہ کے طالب ہیں ان کے لئے مناسب ہے کہ ان باتوں کو اپنے سامنے رکھیں اور ایک دوسرے سے مل کر ان پر عمل کریں۔ اور یہ عمل ... بالخصوص شاہ محمد حسین کے تعاون سے کریں جنھوں نے مجھ سے بیعت کر کے اس کا اقرار کیا ہے اور جن کو میں نے یہ ساری باتیں پوری طرح بتادی ہیں اور ان کو اختیار دیا ہے کہ وہ تم سے بھی ایسے اقرار لیں اور میری جگہ یہ پاکیزہ عادات و اطوار تمھیں سکھائیں۔ اس لئے شاہ محمد حسین موصوف کو مناسب ہے کہ ان احکام کو اختیار کریں جو ان کو بتادیے گئے ہیں، اپنے جسم و جان سے خدا کی طرف رجوع کریں، اور ان احکام کے ظاہر و باطن پر عمل کر کے شرک و بدعات کی ہر گرد کو جھاڑ دیں جو اُن کے دامن پر پڑی ہو۔ اور لوگوں کو راغب کریں کہ ان سے بیعت کر کے عہد و اقرار کریں خدا کرے میں اور میرے سارے رفقا اس گروہ میں شامل ہو جائیں جو توحید کے معتقد اور شریعت کے متبع ہیں۔[1]

مہر

اسمہٗ احمد ۱۲۳۵ سنہ ہج

---

[1] ہندوستان میں وہابی تحریک، ص ۷۵-۷۶۔

شاہ محمد حسین کی خدمات

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں آپ کو سید احمد صاحب سے جو ہدایات ملیں آپ نے ان پر عمل درآمد شروع کیا۔ انھوں نے شہر کی متعدد مساجد میں نماز جماعت اور خطبہ باقاعدہ جاری کر دیا۔ انھوں نے شہر کی بہت سی غیر آباد مساجد اور خاص کر مسجد نموہیاں کو آباد کیا۔ وہ سید احمدؒ کی تعلیمات کے خاص خاص پہلوؤں کی تبلیغ و توضیح کیا کرتے تھے اور ان میں سے بعض پر عمل کر کے ذاتی مثالیں قائم کرتے۔

وہابی لیڈر سید محمد نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں شاہ اسماعیل شہیدؒ کا وعظ سُنا۔ اس کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ محدث سے اخذ حدیث کا ارادہ کر کے دہلی روانہ ہوئے۔

۱۲ رجب ۱۲۴۳ھ مطابق ۳۰ جنوری ۱۸۲۸ء بروز بدھ دہلی پہنچے تو عبدالعزیزؒ کا انتقال ہو چکا تھا۔ مسند ولی اللہ پر شاہ محمد اسحاقؒ درس دیتے تھے ابھی وہابی لیڈر کی استطاعت شاہ محمد اسحاقؒ کے درس میں شامل ہونے کی نہیں تھی اس لئے اورنگ آباد کی مسجد میں مولانا عبدالخالقؒ سے استفادہ شروع کر دیا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالخالقؒ کے حالات پر بھی کچھ تحریر کیا جائے۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں[1]

> „مسجد مولویوں کے ایک خاندان تولیت میں تھی۔ اختلاف عقائد کی وجہ سے متولیوں کے دو گروہ تھے "ایک وہابی، دوسرا بدعتی" پہلے گروہ کے سردار مولوی عبدالخالق صاحب تھے۔ دوسرے گروہ کے مولوی حاجی قاسم صاحب"

---

[1] مولوی نذیر احمد دہلوی احوال و آثار ص ۴۲ طبع مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور طبع اوّل نومبر ۱۹۷۱ء۔

شفیق استاد عبدالخالقؒ نے وہابی لیڈر کی صرف تربیت و تعلیم کے حصول میں ہی مدد نہیں کی بلکہ اپنی دختر نیک اختر کا عقد بھی اس شان سے کیا کہ نکاح اور ولیمہ میں شاہ محمد اسحاق محدثؒ نے شرکت کی اور نکاح سے قبل عشاء کے بعد سے فجر کی نماز تک بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔

وہابی لیڈر اپنے مشفق استاد مولانا عبدالخالقؒ سے علم حاصل کرنے کے بعد شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے درس میں داخل ہو گئے۔ شاہ محمد اسحاق دہلوی نے جب ۱۸۴۱ء میں ہندوستان سے ہجرت کی تو ۱۸۳۱ء سے ۱۸۴۱ء مکمل دس سال تک اپنی جانشینی کے لئے اپنے ارشد تلامذہ میں ہر ایک پر نظر ڈالتے رہے لیکن نظر انتخاب بڑی تو وہابی لیڈر سید محمد نذیر حسین بہاری پر پڑی اس لئے آپ کو اپنی مسند حدیث پر درس دینے کی اجازت دی جس کے متعلق ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> مدرسے کے دوسرے معلم، مولوی عبدالخالق کے داماد شمس العلماء ملا علامہ سید نذیر حسین تھے جن کے علم و فضل کا یہ مرتبہ تھا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر مکی نے ہجرت کے وقت افادہ و افتا اور تدریس کی خدمت ان کے سپرد کر کے اپنا خلیفہ و جانشین مقرر فرمایا تھا[1]۔

اب ایک سوال اٹھتا ہے اور وہ یہ کہ شاہ محمد اسحاقؒ نے وہابی لیڈر کو ہی اپنی مسند پر اپنا جانشین مقرر کیا دوسرے تلامذہ کو اس سے کیوں محروم رکھا۔ راقم الحروف کے خیال میں اس کا سبب یہ ہے کہ شاہ محمد اسحاقؒ کے پاس دو فتوے

---

[1] مولوی نذیر احمد دہلوی احوال و آثار طبع پاکستان ۱۹۷۱ء، ص ۴۶۔

اس قسم کے آئے جن میں سے ایک کا جواب صرف الشیخ سید محمد نذیر حسین رحؒ "وہابی لیڈر" نے لکھا دوسرے تلامذہ اس کا جواب نہ لکھ سکے ۔ وہ فتویٰ یہ ہے :

> ” چنانچہ ایک مرتبہ جناب مولانا کی خدمت میں ایک استفتاء اولاد ناجائز کے متعلق آیا۔ مولانا نے سب شاگردوں کو اس کا جواب لکھنے کے لئے ارشاد فرمایا مگر میاں صاحب کے سوا اور کسی نے جواب پر (غالباً بسبب اشکال مسئلہ) قلم نہ اٹھایا جواب کو دیکھ کر مولانا بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ اس لڑکے سے وہابیت کی جھلک نظر آتی ہے بڑا تیز ہے ۔“ لہ

دوسرے استفتاء کو بھی ملاحظہ فرمائیں :

> ” ایک استفتاء کا سوال یہ تھا کہ کسی نے چار آنے پیسے کسی سے قرض لئے ۔ اس وقت نرخ پیسے کا بیس گنڈہ تھا چار آنے کے بیس پیسے ملے ۔ اب ادائے قرض کے وقت پیسے کا نرخ پچیس گنڈہ ہے ۔ دائن کو بیس پیسے دیے جائیں گے کہ پچیس ۔ شاہ احمد علیہ الرحمۃ نے جواب لکھا کہ جتنے پیسے لئے تھے اتنے ہی ادا کئے جائیں گے یعنی بیس پیسے ۔“
>
> شاگردوں نے فتویٰ کو پڑھ لیا جب میاں صاحب نے پڑھا تو عرض کیا کہ حضور پچیس پیسے ادا کئے جائیں گے جو نرخ پیسے کا ادا کے وقت ہے پوچھا کیوں ؟ عرض کیا پیسوں کی ثمنیت خلقی نہیں ہے بلکہ جعلی ہے مگر جناب شاہ صاحب نے اس پر خیال نہیں فرمایا

لہ :۔ الحیات بعد المماۃ طبع انڈیا ص ۴۳ ۔

میاں صاحب نے بھی اس فتوے پر دستخط نہیں کیا۔ استاد کی مخالفت پر لوگ متحیر ہوئے اور چھ مہینے تک اس مخالفت کا چرچا دلی میں ہوتا رہا۔ چھ مہینے کے بعد جب کتاب طوالع الانوار مکہ معظمہ سے آئی تو میاں صاحب یہ جزئی اس کتاب میں نکال کر شاہ صاحب کے حضور میں لے گئے اور پیش کر کے عرض کیا کہ اب حضور اس فتوے کو منگا کر قلم زد کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔" ؎۱

مذکورہ بالا دو فتاوں سے شاہ محمد اسحاق رح نے اندازہ کر لیا کہ میرے تمام تلامذہ میں سید محمد نذیر حسین کی نظر مسئلہ کی ایک ایک جزئیات پر ہوتی ہے۔ جس میں یہ کمال ہو وہ ہی شخص سید احمد بریلوی رح وہابی کی جماعت کی صحیح ترجمانی اور نگرانی کر سکتا ہے۔ اس لئے آپ نے اپنا جانشین فرما کر ہند و پاک کے مسلمانوں پر عظیم احسان کیا۔

علمائے احناف کو عموماً اور علماء دیوبند کو خصوصاً اس سے کچھ خفگی ہوئی جس کا ثبوت یہ ہے کہ الشیخ وہابی کے خلاف مسئلہ جانشین میں تین طرف سے حملہ کیا گیا۔

اول قاری عبدالرحمٰن پانی پتی نے تو الشیخ سید محمد نذیر حسین رح کو شاہ محمد اسحاق رح کی شاگردی سے خارج کرنے کے لئے یہ کہہ دیا کہ کبھی بھی شاہ صاحب کے درس میں حاضر نہیں ہوئے۔

؎۱ :- الحیات بعد الممات طبع انڈیا۔ ص ۵۱-۵۲۔

میاں نذیر حسین دہلویؒ اور شاہ محمد اسحاقؒ کی جانشینی

۱۲۵۸ھ ہجری میں ہندوستان سے شاہ محمد اسحاق محدث رحمۃ اللہ علیہ نے ہجرت کی اور حجاز مقدس میں رہائش پذیر ہوئے۔ اس وقت دہلی میں شیخ الکل سید نذیر حسینؒ کے علاوہ نامور علماء کرام موجود تھے لیکن ولی اللہی خاندان کی جانشینی صرف شیخ الکل سید نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلوی کے حصے میں آئی۔ جس کی وجہ سے معاندین نے شیخ الکل کی مخالفت شروع کر دی۔ حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا کہ مولانا سید نذیر حسینؒ شاہ محمد اسحاق کے شاگرد ہی نہیں۔

اگرچہ شیخ الکلؒ کی زندگی میں شیخ محمد تھانوی نے ایک خط ۱۲۹۲ھ بنام مولوی محمد حسین لکھا جس میں یہ تصریح موجود ہے کہ سید نذیر حسین شاہ محمد اسحاق کے تلمیذ ہیں۔

اسی طرح مولانا احمد علی سہارنپوری نے مولانا حفیظ اللہ خاں صاحب دہلوی کے نام لکھا جس میں یہ اقرار کیا گیا ہے کہ شیخ الکلؒ شاہ محمد اسحاقؒ کے شاگرد ہیں۔

اس کے بعد بات ختم ہو جانی چاہیے تھی لیکن قاری عبدالرحمن پانی پتی نے ایک رسالہ "کشف الحجاب" کے نام سے شائع کیا جس میں وہ تحریر کرتے ہیں:۔

"اسی طرح سید نذیر حسین صاحب اور حفیظ اللہ خاں صاحب کبھی کبھی مسئلہ پوچھنے یا کوئی لفظ جلالین کا پڑھنے کو جاتے تھے خدمت میں مولانا اسحاق صاحب قدس سرہٗ کی اور بوقت ہجرت میاں صاحب کے ایک ایک حدیث پانچ چھ کتابوں کی میاں صاحب کو سنا کر ایک پرچہ بطور سند کے لے لیا۔ اور حفیظ اللہ خاں صاحب کو تو یہ بھی نصیب نہیں ہوا۔"[1]

جس وقت کشف الحجاب کو قاری عبدالرحمن پانی پتی نے شائع کیا تھا اسی وقت

---

[1] :۔ کشف الحجاب طبع پاکستان۔ ص ۳۱۔

مولانا محمد سعید بنارسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب "ہدایۃ المرتاب بردِّ ما فی کشف الحجاب" کے نام سے شائع کر دیا تھا جس میں دو باتیں اہم ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔ مولانا بنارسی لکھتے ہیں :۔

"اسی طرح سے یہ (قاری عبدالرحمٰن) حضرت مولوی محمد اسحاق صاحب مرحوم کے بھی فنِ حدیث میں شاگرد نہیں ہیں۔ اگر سند صحیح رکھتے ہوں تو پیش کریں[1]

اس کے بعد مولانا محمد سعید بنارسی تحریر کرتے ہیں۔

"اپنے کو مولوی محمد اسحاق صاحب کا شاگرد بتائیں تو اپنی وہ سند جو اُن کو میاں صاحب ممدوح سے حاصل ہوئی پیش کریں کہ میاں صاحب کی مہر و خط کرا اور سندوں سے مطابق کیا جاوے ورنہ مفت کے لائین مارنے سے کیا حاصل" [2]

مذکورہ دونوں اقتباس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب قاری عبدالرحمٰن پانی پتی صاحب خود شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے شاگرد نہیں کیونکہ ہدایۃ المرتاب بردِّ ما فی کشف الحجاب" موصوف کی زندگی میں طبع ہو کر منظرِ عام پر آ گئی تھی۔ قاری صاحب نے خاموشی کیوں اختیار کر لی۔؟

اس کے علاوہ کشف الحجاب کے شائع ہونے کے بعد معاملہ جناب کمشنر صاحب کی عدالت میں پیش ہوا تو موصوف نے جناب کمشنر صاحب کو جو جواب دیا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"چنانچہ دہلی میں جب جناب کمشنر صاحب بہادر نے انہیں بوجہ لکھنے اس رسالہ کے مؤاخذہ کیا تو وہاں صاف انکار کر گئے کہ یہ رسالہ میں نے نہیں لکھا بلکہ کسی دوسرے

---

[1] :۔ ہدایۃ المرتاب بردِّ ما فی کشف الحجاب طبع ہند ص ۵۔

[2] :۔ ایضاً ص ۶۔

آدمی نے لکھ کر میرے نام سے طبع کرا دیا ہے۔" ۱؎

اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جاتا لیکن یہ بات ضروری ہے کہ قاری صاحب یا مرکزی جماعت القراء پاکستان دونوں میں سے ایک کاذب ضرور ہے۔ اس لیے کہ قاری صاحب نے جناب کمشنر صاحب بہادر دہلی کے اجلاس میں کہا کہ کشف الحجاب میری تصنیف نہیں اگر یہ درست ہے تو مرکزی جماعت القراء پاکستان نے مذکورہ کتاب کا مصنف قاری صاحب نے ہی کشف الحجاب لکھی ہے تو خود قاری صاحب نے جناب کمشنر بہادر دہلی کے سامنے جھوٹا بیان دیا۔ ایسی حالت میں قاری صاحب کے بیان کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔؟

قاری صاحب نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیوں کیا؟ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ:۔

ایک دن کسی موقع پر شاہ محمد اسحاق صاحب نے پوچھا کہ اِذَا مفاجات کے لئے آتا ہے یا نہیں؟ کسی طالب علم نے جواب دیا کہ نہیں۔ ناگاہ قاری صاحب بول اُٹھے۔ اذا مفاجات کے لئے آتا ہے۔ میاں صاحب نے بے ساختہ مذاقاً کہہ دیا یک نہ شُد دو شُد۔

قاری صاحب شدید الغیظ آدمی تو تھے ہی اس وقت سے میاں صاحب سے کشیدہ ہو گئے" ۲؎

یہ سبب تھا کہ موصوف نے شیخ الکل ؒ کا شاہ محمد اسحاق کے تلمیذ ہونے کا انکار کر دیا۔

قاری عبدالرحمٰن پانی پتی کے بیان کو مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے

۱؎:۔ ہدایۃ المرتاب بردماغی کشف الحجاب طبع انڈیا، ص ۶۔

۲؎:۔ الحیات بعد الممات طبع ہند ص ۵۱۔

خوب اچھالا۔ ان کے بعد کراچی کے ایک (مرحوم) پروفیسر صاحب نے بھی خوب اس کی تشہیر کی۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے کی قدرے تفصیل بیان کر جائے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ تحریر کرتے ہیں:[۵۱]

"مولانا سید نذیر حسین صاحب کی مولانا شاہ محمد اسحاقؒ صاحب کی شاگردی کا مسئلہ بھی اہلِ حدیث و احناف میں مابہ النزاع بن گیا ہے۔ احناف انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو شاہ صاحب سے بے پڑھے صرف تبرکاً اجازت حاصل تھی اور اہلِ حدیث ان کو حضرت شاہ صاحب کا باقاعدہ شاگرد بتاتے ہیں۔ مجھے نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے مسودات میں مولانا نذیر حسین کے حالات کا مسودہ ملا۔ جس میں تبصریح مذکور ہے کہ ۱۲۴۹ھ میں شاہ صاحب کے درسِ حدیث میں وہ داخل ہوئے۔ عبارت یہ ہے۔

"درہمیں سال (سنۃ الف و مائتین و تسع و اربعین) حدیث شریف از مولانا محمد اسحاق مرحوم و مغفور شروع فرمودند و صحیح بخاری و مسلم بہ شراکت مولوی محمد گل کابلی و مولوی عبد اللہ سندھی و مولوی نور اللہ شروانی و حافظ محمد فاضل سورتی وغیرہم حرفاً حرفاً خواندند و ہدایہ و جامع صغیر بہ معیت مولوی بہاؤ الدین دکھنی و جدِ امجد قاضی محفوظ اللہ پانی پتی و نواب قطب الدین دہلوی و قاری اکرام اللہ وغیرہم و کنز الاعمال مُلّا علی متقی علیحدہ شروع فرمودند و دو سہ جزء۔"

اگر یہ کہا جائے کہ نواب صدیق حسن خاں کی شہادت تو معتبر ہے لیکن نواب صدیق حسن خاں اور مولانا سید نذیر حسین محدّث دہلوی دونوں ہم مشرب ہیں۔ اس لئے اس کی تائید کسی دوسری جگہ سے ہونی چاہیے۔ اس لئے ہم شیخ الکلؒ کی سند نقل کرتے ہیں

---

[۵۱] حیات شبلی ص ۴۶۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد و آلہ وصحبہ اجمعین امابعد! فیقول العبد الضعیف محمد اسحاق ان السید النجیب المولوی محمد نذیر حسین قد قرأ علی اطرافًا من الصحاح الستۃ البخاری ومسلم وابی داؤد والجامع ترمذی والنسائی وابن ماجۃ وشیئًا من کنز العمال والجامع الصغیر وغیرھا وسمع منی الاحادیث الکثیرۃ فعلیہ ان یشتغل بقراۃ ھذہ الکتب ویتدرس بھا لانہ اھلھا بالشروط المعتبرۃ عند اھل الحدیث وانی تحصلت القرأۃ والسماعۃ والاجازۃ عن الشیخ عبد العزیز المحدث الدھلوی وھو حصل القراءۃ والاجازۃ عن الشیخ ولی اللہ المحدث الدھلوی رحمۃ اللہ علیھما وباقی سندہ مکتوب عندہ حرر فی ثانی شھر شوال ۱۲۸۰ھ الھجریۃ الحمد للہ اولا واخرا

شیخ الکلؒ کی سند سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱) ۔ قرأت کم۔

(۲) ۔ سماعت زیادہ۔

حقیقت یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک روایت کرنے کے جو صیغے ہیں وہ آٹھ ہیں: اوّل: سَمِعْتُ وَحَدَّثَنِیْ (دوم) اَخْبَرَنِیْ وَقَرَاْتُ عَلَیْہِ (سوم) قُرِئَ عَلَیْہِ وَاَنَا اَسْمَعُ (چہارم) اَنْبَاَنِیْ (پنجم) نَاوَلَنِیْ (ششم) شَافَھَنِیْ (ہفتم) کَتَبَ اِلَیَّ (ہشتم) عَنْ اَوْ نَحْوُھَا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر کرتے ہیں۔

”فاللفظان الاولان من صیغ الاداء وھما سمعت وحدثنی صالحان لمن سمع وحدہ من لفظ الشیخ وتخصیص التحدیث بما سمع من لفظ الشیخ وھو الشائع بین اھل الحدیث اصطلاحًا۔“[1]

---

[1] شرح نخبۃ الفکر طبع انڈیا ص ۹۶۔

یعنی "ادا کے پہلے دو الفاظ سَمِعْتُ اور حَدَّثَنِیْ اس شخص کے لئے درست ہیں جس نے اپنے استاذ سے منفرد حالت میں سُنا ہو۔ حَدَّثَنِیْ کی تخصیص اس کے ساتھ جس نے اپنے اُستاذ سے سُنا ہو یہ اہلِ حدیث کے نزدیک بہت مشہور ہے۔"

اگر اُستاذ سے سماع میں دو یا زیادہ شریک ہوں تو لفظ حَدَّثَنَا یا سمعنا کہا جائے گا۔

لہٰذا شیخ الکل رح نے الشیخ سے حدیث پڑھنے میں ادا کے اعلیٰ مرتبہ کو اختیار کیا۔ یعنی سند کے الفاظ سمعنی الاحادیث الکثیرۃ اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مذکورہ الفاظ سے قاری عبد الرحمٰن پانی پتی کی تردید ہوتی ہے۔ اسی طرح ارواحِ ثلاثہ کے مصنف کی بھی تغلیط ہوتی ہے۔

مخالفین پر یہ فرض تھا کہ شیخ الکل رح کی زندگی میں شیخ الکل رح کی سند کو سامنے رکھ کر شاہ محمد اسحاق رح کے دوسرے تلامذہ کی اسناد سے خط کا موازنہ کیا جاتا۔ جس طرح مولانا محمد سعید بنارسی نے قاری عبد الرحمٰن پانی پتی سے مطالبہ کیا تھا تاکہ دعویٰ کی حقیقت علمائے کرام کے سامنے آشکارا ہو جاتی۔[1]

دوم جب علماء احناف نے دیکھا ہے کہ سید احمد شہید رح کی تحریک سے ہم ہمیشہ علیحدہ رہے۔ اس کا سب سے زیادہ احساس علمائے دیوبند کو ہوا۔ لہٰذا ان کے سرخیل لیڈر مولانا عبید اللہ سندھی نے وہابی تحریک کو دو حصّوں میں تقسیم کر دی۔ موصوف لکھتے ہیں:

"مولانا محمد اسحاق مکہ معظمہ میں اپنے بھائی مولانا محمد یعقوب دہلوی کو اپنے ساتھ لے گئے اور دہلی میں مولانا مملوک علی کی صدارت میں مولانا قطب الدین دہلوی، مولانا

---

[1] الاعتصام ۲-۹ مارچ ۱۹۸۴ء۔

مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا عبدالغنی دہلوی کو ملا کر ایک بورڈ بنا دیا جو اس نئے پروگرام کی اشاعت کر کے نئے سرے سے جماعتی نظام پیدا کرے۔ یہی جماعت ہے جو آگے چل کر دیوبندی نظام چلاتی ہے۔ الغرض امام ولی اللہ کی جماعتی تحریک کو نئی نہج پر ڈالنے میں شاہ محمد اسحاق کی اس اصابت رائے کا نتیجہ تھا کہ بعد میں دہلی کے مدرسہ کے نمونہ پر دیوبند میں جو درسگاہ قائم کی گئی اس نے پچاس سال کے عرصہ میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ [1]

مولانا عبداللہ سندھی صاحب کا یہ فرمانا کہ مولانا مملوک علی کی صدارت میں مولانا قطب الدین دہلوی، مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا عبدالغنی دہلوی کا ایک بورڈ بنایا تھا۔ یہ ان کی ذہنی اختراع ہے کیونکہ اس سے قبل کسی مصنف نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے علاوہ مولانا مملوک علی صاحب کی کسی سیاسی سرگرمی کا ذکر نہیں ملتا بلکہ وہ اور ان کے استاد مولانا رشید الدین خاں دہلی کالج مرحوم میں عربی کی تعلیم کے ذریعے ایسے ذہن پیدا کر رہے تھے جو انگریز سامراج کے معاون و مددگار ثابت ہوں۔ حق یہ ہے کہ مولانا مملوک علی پر اکبر الہ آبادی کا یہ شعر تھوڑی تبدیلی کے ساتھ صادق آتا ہے ؎

:۔ افسوس کہ فرعون کو ٹیچنگ کی نہ سوجھی ۔:
:۔ یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا ۔:

مولانا قطب الدین دہلوی صاحب وہ صاحب ہیں جنھوں نے ۱۸۷۰ء میں ہندوستان کو دارالسلام ہونے کا فتویٰ دیا۔

مولانا مظفر حسین کاندھلوی صاحب جن کا عقیدہ تھا کہ سید احمد شہید نہیں ہوئے

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۱۳۴۔

بلکہ غائب ہو گئے ہیں۔ مولانا سید عبد الحی ف ۱۳۴۱ تحریر کرتے ہیں:

حدثنا الشیخ الصالح محمود حسن و الحافظ احمد بن مولانا محمد قاسم والمولوی حبیب الرحمن وکلهم ثقة قالوا حدثنا شیخنا الثقة الصدوق الحجة مولانا رشید احمد گنگوهی حدثنا الشیخ الزاهد المتقی الاورع الحجة مولانا مظفر حسین الکاندهلوی قال سمعت من شیخنا مولانا السید احمد عشرة امور وقعت منها تسعة وبقیت واحدة وهو غیبوبته وظهوره رحمة علیه۔ [1]

ہم سے شیخ محمود حسن، حافظ احمد بن مولانا قاسم اور مولوی حبیب الرحمن نے بیان کیا (تینوں معتبر ہیں) کہ ہم سے مولانا رشید احمد گنگوہی نے بیان کیا کہ ان سے مولانا مظفر حسین کاندھلوی نے کہا کہ میں نے اپنے شیخ مولانا احمد سے دس باتیں سنی ہیں جن میں سے نو کا ظہور ہو چکا ہے۔ ایک جو باقی ہے وہ آپ کی غیبوبیت اور ظہور کے بارے میں ہے۔

مولانا عبد الغنی مجددی کے متعلق اردو کالج کے ایک پروفیسر نے یہ شوشہ چھوڑا کہ ۱۸۴۱ء میں جب محمد اسحاقؒ دہلوی ہجرت کر کے مکہ معظمہ گئے جب انھوں نے مولانا عبد الغنی مجددی صاحب کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ یہ بھی پروفیسر صاحب کے ذہن کی اختراع ہی ہے اس لئے کہ اپنے دعوے کی تصدیق میں نہ ان کے پاس دلائل ہیں اور نہ ہی شواہد ہیں کہ انھیں قبول کر لیا جائے۔

مولانا عبد الغنی مجددی صاحب ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۴۱ء میں وہ ۲۲ سال کے تھے اور انھوں نے ۱۸۴۱ء سے ۱۸۵۷ء تک ۱۶ سال کے عرصہ میں مجاہدین کی کیا خدمات کیں۔

---

[1] :۔ ارمغان احباب معارف ج ۴۳ ص ۱۷۲ بحوالہ مولانا سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر ص ۷۷۔ ۸۔

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں جو حصہ لینے کی داستان بہت مشہور ہے اس کے متعلق آئندہ صفحات میں بیان کیا جائے گا۔

شاہ محمد اسحاقؒ کی ہجرت ۱۸۴۱ء سے ۱۸۵۷ء تک سید محمد نذیر حسینؒ بہاری ثم دہلوی قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر فنون پڑھاتے رہے۔

دہلی کے بادشاہ کی حکومت تو ۱۷۵۷ء میں ہی ختم ہو چکی تھی جبکہ الہ آباد کی دیوانی انگریزوں کے ماتحت کر دی گئی، اس وقت تو ہندو اور مسلم سب تماشائی بنے رہے لیکن جب معاشرتی اور معاشی حالات خراب ہونے لگے۔ تب ان کو ہوش آیا تو مسلم، ہندو نے مل کر جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ مفاد پرست عناصر مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں میں موجود تھے۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو جنگ آزادی شروع ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں فتویٰ جہاد شائع ہوا جس پر احناف اور اہلِ حدیث علماء کرام کے دستخط ہیں۔

لیکن جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ہی سے یہ مہم شروع کی گئی کہ جس طرح ہو علماء اہلِ حدیث کو عام طور پر اور خاص کر وہابی لیڈر، شیخ الکل سید محمد نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلوی کو بدنام کیا جائے۔ اس بارے میں نئے نئے من گھڑت واقعات زبانی اور تحریری طور پر لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے پھیلائے گئے۔ اسی نوعیت کا ایک تبصرہ منشی ذکاء اللہ نے کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

> ”جن مولویوں نے فتوے پر مہریں کی تھیں وہ کبھی پہاڑی پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے مولوی نذیر جو وہابیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے ان کے گھر میں تو ایک مہم چھپی بیٹھی تھی“ [1]

مذکورہ بالائے حوالہ میں دو اعتراض الشیخ الوہابی پر عائد کئے گئے ہیں۔

اول جن مولویوں نے فتوے پر مہریں کی تھیں وہ کبھی پہاڑی پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے۔

---

[1] منشی ذکاء اللہ ص ۶۷۶ بحوالہ اٹھارہ سو ستاون اخبار اور دستاویزیں ص ۴۲۱، اور جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۴۱۰۔

اس کو صرف علماء اہلحدیث تک ہی کیوں محدود رکھا گیا ہے دوسرے علماء کا بھی یہی حال تھا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف نے، مولوی رحمت اللہ، شاہ احمد سعید، شاہ عبد الغنی، مولوی محمد سرفراز، فرید الدین، سیف الرحمن الدھیانوی اور عبد القادر کو جنگ آزادی میں حصہ لینے والوں میں تاریخ کا ہیرو دکھایا ہے۔

ہم بھی ترتیب وار ایک ایک پر بحث کرتے ہیں۔

مولانا رحمت اللہ صاحب کے متعلق مولانا نذیر احمد رحمانی لکھتے ہیں:

مولوی رحمت صاحب کیرانوی

"مولوی صاحب موصوف مغربی یو۔پی ضلع مظفر نگر کے ایک قصبہ "کیرانہ" کے باشندے تھے۔ ان کے ایک رفیق ڈاکٹر نذیر خاں اکبر آبادی عیسائی مذہب کے متعلق بہت وسیع اور گہری معلومات رکھتے تھے۔ انھی ڈاکٹر صاحب کی رفاقت میں مولوی رحمت صاحب کو بھی عیسائیت پر کافی عبور حاصل ہو گیا، پادریوں سے بعض اہم مناظرے کئے اور ان کے رد میں کتابیں لکھیں[1]"

موصوف ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں آباد ہو گئے تھے، وہاں ان کا مشغلہ کیا تھا اس پہلو پر مولانا محمد حسین بٹالوی روشنی ڈالتے ہیں:

"مولوی رحمت اللہ مذکور کو اگرچہ عیسائیوں کے رد و جواب میں باعانت باعانت ڈاکٹر وزیر خاں بڑا دخل رہا ہے مگر اسلامی علوم خصوصاً قرآن و حدیث حدیث میں اس کو چنداں مہارت نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے بلاواسطہ تقلید سابقین قرآن و حدیث پڑھنے پڑھانے اور اس پر عمل کرنے

---

[1] اہلِ حدیث اور سیاست، ص ۳۵۵۔

کو جائز نہیں سمجھتا۔ اور جو لوگ بلاواسطہ پچھلے علماء کے قرآن و حدیث پڑھیں یا اس پر عمل کریں ان کو وہ مکہ مکرمہ میں چین نہیں لینے دیتے ؛

ایک بزرگ (شیخ محمد نامی) حرم محترم میں حدیث پڑھایا کرتے تھے۔ اس نے ان کو حکماً اس سے ہٹا دیا۔ پھر وہ ایک مدت تک ایک حلوائی (عبداللہ نامی) کی دکان کی ایک کوٹھری میں چھپ کر حدیث پڑھاتے رہے اس کو بھی اس نے جب مطلع ہوا اندر کرا دیا۔"

ایک دفعہ حدیث کی ایک کتاب "سفر السعادۃ" (تصنیف علامہ مجدالدین صاحب قاموس) کی اشاعت مکہ میں ہوئی اور شائقین حدیث نے اسکی ترویج چاہی تو اس کو بھی اس نے جاری نہ ہونے دیا۔ خاکسار نے مکہ مکرمہ میں چار مہینے رہ کر اکثر ان حالات کو بچشم خود ملاحظہ کیا ہے صرف سُنی سنائی باتوں کو بیان نہیں کر دیا۔" [1]

جس شخص کا یہ حال ہو کہ احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت میں حائل ہوتا ہو اس کے دیے ہوئے فتوے کی کیا اہمیت ہے؟ اس کا فیصلہ قارئین خود کر سکتے ہیں۔

شاہ احمد سعید اور عبدالغنی مجددی کے متعلق جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف نے کمال الدین، حیدر حسینی کی تصنیف قیصر التواریخ جلد دوم پر اعتماد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مولوی احمد سعید شاہ غلام علی کے نواسے مجتہد اہل سنت وہ جامع مسجد میں علم جہاد کے اٹھانے کے باعث ہوئے اور اہل اثنا عشری شریک اس جہاد کے نہ ہوئے کس واسطے کہ ان کے مذہب میں غیبت امام میں

---

[1] :- اشاعۃ السنۃ جلد ۶ نمبر ۱، ص ۲۸۹۔

میں جہاد حرام ہے۔"[۱]

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"شاہ عبدالغنی شاہ احمد سعید کے برادر خورد اور شاہ ابوسعید مجددی کے فرزند اصغر تھے۔ وہ ۱۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے نامور عالم اور محدث تھے شاہ محمد اسحاق دہلوی کے تلمیذ و جانشین تھے۔ انھوں نے جہاد کے فتوے پر دستخط کئے اور پھر اپنے بھائی کے ہمراہ حجاز تشریف لے گئے اور وہیں ۱۲۹۶ھ میں انتقال ہوا۔"[۲]

قارئین کرام سے التماس کی جاتی ہے کہ دونوں حوالوں پر بار بار غور کریں کہ کس لفظ یا جملہ سے مترشح ہوتا ہے کہ پہاڑی پر جاکر شاہ احمد سعید اور شاہ عبدالغنی مجددی نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔ ہندوستان میں احناف کی کثرت ہے۔ وہ پروپگنڈے میں ماہر ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی احناف اور شیعہ کا قبضہ ہے اس لئے انھوں نے جس قدر غلط باتوں کی تشہیر کی ہے وہ سب عوام کو بظاہر خفیفۃً معلوم رہتی ہیں۔

مولانا سید عبدالحی ندوی لکھتے ہیں:

اذ ثارت الفتنة العظيمة بدهلى فى	جب دہلی اور مختلف علاقوں میں عظیم فتنہ
السادس عشر من رمضان سنة ثلاث وسبعين	۱۶ رمضان ۱۲۷۳ھ میں بپا ہوگیا۔ لوگوں
وعمت البلوى اقطار الهند وسفكت الدماء	کے خون بہائے گئے، مال لوٹے گئے
ونهبت الاموال وخربت البلاد وهلكت العباد	اور شہروں کو برباد کیا گیا۔ خاص طور پر دہلی
سيما فى مدينة دهلى وهو لم يزل مستقيما	میں وہ (شاہ احمد سعید) اپنی خانقاہ میں
فى خانقاه حتى مضت عليه اربعة اشهر	قیام کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ چار

---

[۱]: جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۴۰۸ - ۴۰۷۔ [۲] جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۴۰۸۔

وغلبة الحكومت الانكليزيه مرة ثانية الثوار واتهموه بافتاء الخروج على الحكومة وارادوا ان يفعلوا به وبعشيرته ما فعلوا بالمحاربين من قتل ونهب فشفع فيه رئيس الافاغنة الذى به غلبت الحكومة على الهند فكفوا ايديهم من المواخذة حتى خرج الشيخ مع عشيرته كلها من دهلى واراد ان يسافر الى الحرمين الشريفين فحصل له الرئيس المذكور جواز السفر من الحكومة وجهز له الزاد والراحلة حتى بلغ الى مكة المشرفة وتشرف بالحج ثم ذهب الى طابة الطيبة وسكن بها وكان خرج من دهلى فى اخر محرم سنة اربع وسبعين ودخل مكة المباركة فى شوال من تلك السنة الزهة الخواطر

ج ۷ ص (۴۲ ـ ۴۱)

ماہ گذر گئے اور حکومت انگریزی نے دوبارہ غلبہ حاصل کر لیا اور فتنہ وفساد پر قابو پالیا۔ آپؒ (شاہ احمد سعید) پر فتویٰ جہاد دینے کا اتہام لگایا گیا۔ انگریزوں نے ارادہ کیا کہ ان کے اور ان کے اہل کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن آپ کی سفارش اس افغان سردار نے کی جس کی مدد سے انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ اس کی سفارش کی وجہ سے انگریز نے مواخذہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ شیخ نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ حرمین شریفین کا سفر کیا۔ سردار مذکور کی سفارش سے سفر کے لئے .. پاسپورٹ مع ویزا مل گیا اور سردار مذکور ہی نے زاد راہ کا بھی انتظام کیا۔ یہانتک کہ آپ مکہ شریف پہنچ گئے۔ آپ نے سنہ ۱۲۷۴ میں محرم کے آخر میں سفر شروع کیا اور ماہ شوال سنہ ۱۲۷۴ھ میں مکہ شریف میں داخل ہوئے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ :

الف: شاہ احمد سعید نے فتوے جہاد پر دستخط نہیں کئے بلکہ ان پر اتہام لگایا فتوے جہاد پر جو دستخط ہیں وہ اس طرح ہیں (فقیر احمد سعید احمدی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ احمد سعید کا فتوے جہاد پر دستخط کرنے سے کوئی تعلق نہیں واقعی آپ پر اتہام لگایا گیا۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف نے صرف فقیر احمد سعید لکھا ہے تاکہ احمد سعید مجدّدی ثابت کرتے ہیں کوئی اشکال باقی نہ رہے۔

ب جنگِ آزادی کے دوران اپنی خانقاہ سے باہر ہی نہیں نکلے تو جہاد کب اور کہاں کیا؟۔

ج احمد سعید مجددی اور عبد الغنی مجدّدی کا ہمدرد وہ شخص ہے جس نے مغلیہ خاندان کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کی حکومت کا خاتمہ کرنے میں سامراج انگریز کا ساتھ دیا۔ جس کے متعلق مولانا محمد میاں تحریر کرتے ہیں:

> "اور یہ بات مشہور ہوئی کہ انگلش یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے امیر دوست محمد خاں کو دوست بنایا۔ مگر اصل میں وہ ایران کا زیر فرمان ہے انگریزوں کے ساتھ دوستی اس لئے اختیار کی ہے کہ افغانوں کو انگریز پشاور دیدیں۔[ل]

احمد سعید و عبد الغنی مجدّدی کے ہمدرد کے کارنامے ملاحظہ کر لیئے۔ ان کی خانقاہ میں اکثر افغانی باشندے پڑھتے تھے۔ انگریز کے وفادار امیر دوست محمد خاں افغانی نے دونوں بھائیوں کو ہر قسم کی امداد پہنچائی اس وجہ سے ڈپٹی نذیر احمدؒ نے خانقاہ مجدّدی کو خانقاہ خفانی کنایۃً "ابن الوقت" میں لکھا ہے جس کو جنگِ آزادی کا مصنف سمجھ ہی نہ سکا حالانکہ علم بلاغت کا یہ قاعدہ ہے کہ

جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی کی تحقیق مندرجہ ذیل ہے۔

غدر کے ہنگامہ میں شاہ صاحب اپنے اہل و عیال کو لے کر مجبوراً

[ل] علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۴ ص ۸۹

حرمین الشریفین چلے گئے تھے۔ ؎۱

اب آپ فیصلہ کریں کہ احمد سعید مجددی اور عبدالغنی مجددی نے فتوے جہاد پر دستخط کئے اور جہاد کیا یا نہیں؟

مولوی سرفراز کے متعلق جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا مصنف لکھتا ہے۔

"مولانا سرفراز تحریک مجاہدین کے سرگرم کارکن اور امام المجاہدین تھے" ؎۲

سید احمد بریلوی کے کارکنوں کے متعلق ڈاکٹر قیام الدین صاحب تحریر کرتے ہیں:

> "سید احمد بریلوی کے متبعین کو اہل حدیث، یا موحدین یا مصلحین سے تعبیر کرنا اور گہ قوسین میں "وہابی" کے لفظ کا اضافہ کرنا اور کچھ نہیں تو جھنجھنٹ ضروری تھا۔" ؎۳

یہ بات صاف ہو گئی کہ تحریک مجاہدین کے کارکنوں کو وہابی کہا جاتا رہا اگرچہ اب سید احمد شہید بریلوی کے صحیح جانشین اہلحدیث ہیں اس لئے سرفراز کا تعلق بھی اہلحدیث سے تھا۔

فریدالدین، سیف الرحمن حنفی مسلک تھے۔

عبدالقادر

فتوے جہاد پر دستخط کرنے والوں میں ایک نام عبدالقادر ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے صفحہ ۴۰۶ "عبدالقادر" بغیر کسی نسبت کے لکھا ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف نے المعارف لاہور جلد ۹ شمارہ ۵ مئی ۱۹۷۶ء جمادی الاول ۱۳۹۶ھ کے صفحہ ، پر "مولوی عبدالقادر

؎۱: "تاریخی مقالات" ص ۲۲۱ طبع انڈیا اور ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ عبداللطیف ص ۱۷۸ طبع انڈیا۔ ؎۲ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۴۰۸۔ ؎۳۔ ہندوستان میں وہابی تحریک اردو طبع پاکستان ص ۲۳۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ص ۲۱۴ پر عبد القادر کا شمار علماء اہلحدیث میں کیا ہے۔ اس طرح ایک ہی عبد القادر کو دو شخصیت بنا کر پیش کر دیا یہ کمال ہے حنفی دانشوروں کا جو اس ملک کے ذرائع ابلاغ پر اسی طرح قابض ہیں جس طرح شیعہ ذہنوں پر ہر مضمون نویس جب نشانہ بناتا ہے تو وہابی لیڈر سید محمد نذیر حسین ان کے شاگرد اور رشتے داروں کو ۱۹۸۲ء میں اردو نامہ اول شمارہ ۹ نومبر ۱۹۸۲ء جس کو مجلس زبان دفتری حکومت پنجاب سول سیکرٹریٹ سے شائع کرتی ہے جس میں مولوی عبد القادر بن مولوی عبد الخالق کو ایک درخواست کی وجہ سے افسر تحقیق پنجاب آرکائیور صاحب نے "وطن دشمن" لکھا۔

وہ لکھتے ہیں :

"چنانچہ اس نے ۲۳ر اپریل ۱۸۶۱ء کو الہ آباد سے ایک درخواست اردو میں کمشنر قسمت دہلی کے نام ارسال کی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

سائل نے بیان کیا کہ اسے ایام غدر سے پہلے مبلغ ۴۸ روپے سالانہ پنشن اور مبلغ ۱۰/= روپے سالانہ ماہ رمضان میں تلاوت قرآن کرنے کے عوض ملا کرتے تھے اور وہ اورنگ آبادی مسجد کا امام تھا۔ غدر کے تین سال بعد ایک شخص پنی سنگھ مخبر نے روپے کے لالچ میں آکر اسے جان صاحب کے قتل کے الزام میں گرفتار کرا دیا۔ اس کے علاوہ اس کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کرنے کے سلسلے میں ایک مقدمہ مسٹر ایل برکلے، ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر دہلی کی عدالت میں دائر کیا گیا۔ مسٹر برکلے نے مقتول کے وارثان اور مرزا الٰہی بخش جیسے گواہان صفائی کے بیانات کی روشنی میں اسے

اس مقدمے سے بری کر دیا لیکن پنشن اور آمدنی باغات وغیرہ ضبطِ بحق سرکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے ایام غدر میں مسٹر جان لیس کی بیوی اور سابق ڈپٹی کلکٹر خزانہ دہلی کی بیٹی کو تین ماہ آٹھ دن اپنے گھر واقع کٹرہ پنجابی میں بڑی حفاظت سے چھپائے رکھا۔ بعد ازاں اس نے اس کی اطلاع کپتان ہارس کو کر دی اور ان کی ہدایت کے مطابق میم صاحبہ کو اپنی عورتوں اور بچوں کے ہمراہ ایک رتھ میں سوار کر کے دہلی کے باہر لے گیا۔ وہاں سے اپنے ایک شاگرد محمد صدیق کے ذریعے پہاڑی پر پہنچا دیا۔ ان خدمات کے صلے میں وہ پنشن اور انعام کا حقدار ہے۔

استدعا ہے کہ اس کی سالانہ پنشن بحال کی جائے [1]

دنیا کے ہر انصاف پسند سے سوال کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا درخواست میں غور کر کے بتائیں کہ کس لفظ سے وطن دشمنی ثابت ہوتی ہے۔ اگر صرف اس بنا پر کوئی صاحب وطن دشمنی قرار دیں کہ مولوی عبدالقادر نے اپنی پنشن بحالی کے لیے درخواست دی تو ان سے بڑے وطن دشمن مفتی صدرالدین آزردہ ہیں جن کے متعلق "لارڈ جان لارنس" تھے جس کی بدولت اپنے مشن میں کامیاب رہے جن کے متعلق محمد میاں لکھتے ہیں:

> "۱۲۷۳ھ میں دہلی کے غدر میں آپ کو سخت زخم چشم پہنچا کہ تعلق روزگار بھی ہاتھ سے گیا۔ اور تمام جائیداد و املاک بھی جو تیس ۳۰ سال کی ملازمت میں پیدا کی ہوئی تھی سرکار میں ضبط ہو گئی بلکہ فتویٰ جہاد کے اشتباہ میں چند ماہ تک نظر بند رہے چونکہ اصل میں بے قصور تھے۔ آخر کو رہائی پا کر لاہور تشریف اور واسطے اپنے کتب خانہ مالیتی تین لاکھ

---

[1] اردو نامہ ج اول۔ شمارہ ۹، نومبر ۱۹۸۲ء ص ۱۷۔

روپیہ کے جو دہلی کی لوٹ میں نیلام ہو گیا تھا حضور "لارڈ جان لارنس" صاحب کے پاس جو اس وقت پنجاب کے چیف کمشنر تھے اور مولانا ممدوح کے دہلی میں بڑے مہربان رہ چکے تھے، مطالبہ کیا۔ لیکن چونکہ جائیداد منقولہ کے نیلام کا واپس ہونا متعذر تھا اس لیے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے لیکن اتنا ہو گیا کہ جائیداد غیر منقولہ جو سرکار میں ضبط ہو گئی تھی واگذار ہو گئی اور مولانا موصوف دہلی میں واپس تشریف لیجا کر چندے بستی حضرت نظام الدین اولیاؒ اور پھر اپنی حویلی خاص واقع دہلی میں خانہ نشین ہوئے[له]

دیکھا کہ مفتی صدر الدین آزردہ نے بغیر کسی درخواست کے غیر منقولہ جائیداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب ہم عبد القادر اور مفتی صاحب کے درمیان موازنہ کرتے ہیں:

عبد القادر		مفتی صدر الدین آزردہ
کسی انگریز افسر سے تعلق نہیں	ہو	"لارڈ جان لارنس" سے ذاتی تعلقات
درخواست پیش کی	ہو	کوئی درخواست پیش نہیں کی۔
فتویٰ جہاد پر دستخط کئے	ہو	فتویٰ جہاد پر دستخط کا صرف اشتباہ تھا۔
پینشن اور باغات جو کہ غیر منقولہ جائیداد میں سے ہیں واپس نہیں ہوئیں۔		غیر منقولہ جائیداد واپس مل گئی۔ .....

ہم کو بتایا جائے کہ وطن دشمن کون ہے؟

اگر مولانا عبد القادر کو "وطن دشمن" صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ تحریک آزادی کے دوران انگریز عورتوں کی جان بچائی تو اس کے متعلق عرض ہے کہ مسز لیننس اور

[له] : علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۴ ص ۲۴۴ - ۲۴۵۔

اس کی لڑکی کو بچانے میں صرف مولانا عبدالقادر ہی نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ شیخ الکلؒ وہابی لیڈر اور ڈپٹی نذیر احمد بھی برابر کے شریک ہیں۔ اگر عورت کو ان وہابیوں نے پناہ دینے کے بعد علاج کرا کر ان کے وارثوں کے پاس پہنچا دیا تو اس میں کیا قباحت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال وجدت امراۃ مقتولۃ فی بعض مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل النساء والصبیان۔ فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۸ طبع لاہور

ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ عورت مقتولہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غزوہ میں پائی گئی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔[1]

امام مالک اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ لا یجوز قتل النساء والصبیان بحال لو تترس اھل الحرب والصبیان۔ عورتوں اور بچوں کا قتل کسی حالت میں جائز نہیں۔ اگرچہ اہلِ عرب نے عورتوں اور بچوں کو آگے کر کے اپنے لئے ڈھال کے طور پر استعمال ہی کیوں نہ کیا ہو[2]۔

امام شافعیؒ اور اہلِ کوفہ کا قول درج ذیل ہے۔

قالوا۔ اذا قاتلت المراۃ جاز قتلھا فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۸ طبع لاہور۔

انھوں نے کہا کہ جب عورت جنگ کرے تو اس وقت اس کا قتل کرنا جائز ہوگا۔[3]

منشی ذکاء اللہ صاحب سے لیکر آج تک کے علماء احناف کی خدمت میں راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ کوئی صاحب تحقیق کر کے ثابت کریں کہ مسٹر لینسنس نے مسلمان

---

[1]:۔ فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۸ طبع لاہور۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

مردوں سے قتال کیا تھا اس وجہ سے اس کو پناہ نہیں دینی چاہیے تھی جیسا کہ اہل کوفہ کا مذہب اس سے قبل بیان کیا گیا۔ اگر ایسا نہیں تو الشیخ سید محمد نذیر حسین وہابی لیڈر، عبدالقادرؒ بن عبدالخالقؒ ڈپٹی نذیر احمد، مولوی عبداللہ غزنوی اور محمد صدیق پشاوری نے جو کچھ کیا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وان احد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلام الله ثم ابلغه مامنه ذلك بانهم قوم لا يعلمون۔ سورۃ توبہ آیت ۶	اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ طلب کرے تو اس کو پناہ دو تاکہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے پھر اسے اس کے امن کی جگہ واپس پہنچا دو یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ جانتے نہیں۔

اس کے بعد اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف نے لکھا ہے "کہ مولوی نذیر حسین کو اس صلے میں ایک ہزار تین سو روپے انعام ملا"۔ [1]

موصوف کے نزدیک انعام کی رقم (۱۳۰۰) ہے۔ لیکن اس کے بعد جو لکھا ہے درج ذیل ہے:

> "ان لوگوں کو اس خدمت کے صلے میں مبلغ دو سو اور چار سو روپے ملے تھے۔ مبلغ سات سو روپے بابت تاوان منہدم کئے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کئے گئے تھے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسن سلوک اور الطاف کے مستحق ہیں"۔ [2]

---

[1] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۱۴۰۔ [2] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۱۴۱۔

مذکورہ بالائے حوالہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سات سو روپے انگریزوں اس بات کے دیے تھے کہ انھوں نے جب پنجابی کٹرہ نمبر ۲ کو مسمار کیا تب وہابی لیڈر اور ان کے ساتھیوں کے مکانات بھی مسمار ہو گئے جن کا تلافی سات سو روپے دیگر کی گئی جس کو خود انگریز تسلیم کرتے ہیں (مبلغ سات سو روپے بابت تاوان منہدم کئے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطائے کیے گئے تھے)"

۱۳۰۰ = ۷۰۰ کو کم کریں تو ۶۰۰ باقی رہے۔ انعام کی رقم صرف چھ سو ہے حالانکہ یہ بھی درست نہیں کیونکہ انگریزی میں صرف ۷۰۰/= اور ۴۰۰/= کا ذکر ہے ملاحظہ کریں:

THE FAMILY RECIVED HANDSOME REWARD OF RS 400, RS 700.

[1]

ہم ترجمہ نہیں کرتے :

ہمیں تعجب ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا مصنف ایم۔ اے تھا۔ بعد میں پی۔ ایچ۔ ڈی بھی کر لی تھی۔ اس نے انگریزی عبارت پر غور تک نہیں کیا بلکہ مولوی فضل حسین مظفر پوری کی کتاب سے ترجمہ نقل کر دیا حالانکہ فضل حسین رح انگریزی سے بالکل واقف نہیں انھوں نے بھی دوسرے سے کرایا ہوگا جس نے غلط ترجمہ کر کے دیا جو مولوی صاحب کے شائع کر دیا۔ ساتھ ہی انگریزی کا خط بھی شائع کر کے تصحیح کے لئے مستقبل پر چھوڑ دیا۔

انگریزی عبارت میں صرف گیارہ سو روپے کا ذکر ہے جس میں سات سو روپے

---

[1] ۱۔ الحیات بعد الممات ص ۸۰ طبع انڈیا۔

منہدم مکانات کے ادا کئے باقی چار سو روپے صرف اس لئے دیے کہ تین ماہ آٹھ یوم تک مسز لینسنس کا علاج کرایا اور کھانے پر خرچ ہوئے۔ الشیخ وہابی لیڈر کیونکہ براہ راست کتاب وسنت پر عمل کرتا اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتا اسلیے مخالفین ومقلدین نے عقل کو بالائے طاق رکھ کر لکھنا شروع کر دیا کہ ۱۲سو روپے انعام میں ملے۔

فتویٰ جہاد کے دستخط کرنے والوں کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف نے تین گروہ میں تقسیم کیا ہے اب ہم دوسرے گروہ پر بحث کرتے ہیں۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا مصنف لکھتا ہے:

> ”دوسرے گروہ میں وہ حضرات ہیں جن کے دستخط تو فتوے پر ہیں مگر وہ دل سے اس تحریک میں شریک نہیں تھے بلکہ انھوں نے مجبوراً دستخط کئے تھے اور دستخط کرنے کے باوجود سرکار انگریزی کے وفادار رہے۔ انھوں نے انگریزوں کو چھپایا، جاسوسی کے فرائض انجام دیے اور تحریک آزادی کی مخالفت کی۔ ان میں یہ حضرات ہیں:
> (۱) شیخ الکل میاں سید محمد نذیر حسین۔ (۲) شمس العلماء مولوی ضیاء الدین (۳) مولوی سید محبوب علی جعفری (۴) مفتی صدر الدین آزردہ (۵) مولوی حفیظ اللہ خاں۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا مصنف لکھتا ہے۔

مولوی نذیر حسین نے جہادیوں کے ڈر کی وجہ سے دستخط کیے تھے افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں:

”آفت یہ ٹوٹ پڑی کہ دورانِ بغاوت جنرل بخت خاں نے ان مولویوں سے زبردستی جہاد کے فتوے پر مہریں کرالیں“ لہ (حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

مذکورہ بالا عبارت میں غور طلب بات یہ ہے کہ مولویوں جمع ہے چسپاں کیا جا رہا ہے۔ دہابی لیڈر شیخنا سید محمد نذیر حسین بہاری پر۔ اس کے علاوہ افتخار عالم مارہروی سے کس نے بیان کی۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی صاحب حیات النذیر کے مصنف کے متعلق لکھتے ہیں:

> "سوانح نگار کو اس بات کی شکایت ہے کہ نذیر احمد نے اس کتاب کے اس سلسلے میں اسے کوئی مدد نہیں دی"۔[1]

معلوم ہوا کہ حیات النذیر کے مصنف نے نمک مرچ خود ہی لگائی ہیں ڈپٹی نذیر احمد کا مذکورہ حوالہ سے کوئی تعلق نہیں۔

مولوی افتخار عالم مارہروی کا یہ کہنا:

> مولوی شریف حسین نے دعویٰ کیا کہ مولوی نذیر احمد صاحب کو جو نوکری مل گئی ہے وہ میرے باپ مولوی نذیر حسین صاحب کا حق ہے.... ان لغو باتوں کا نتیجہ ہوا کہ دونوں خاندانوں میں تا ایندم صفائی نہیں ہوئی۔[2]

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی صاحب اس پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

> "مولوی شریف حسین کے جس دعوے کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے، وہ درحقیقت یہ نہیں تھا کہ مولوی نذیر احمد صاحب کو جو نوکری مل گئی ہے وہ میرے باپ نذیر حسین کا حق ہے۔ بلکہ اس کی نوعیت کچھ اور تھی"۔[3]

---

[1] حاشیہ صفحہ سابقہ "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" ص ۴۰۹۔

[1] مولوی نذیر احمد دہلوی، احوال و آثار ص ۲۸۔

[2] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۴۱۱۔

[3] مولوی نذیر احمد دہلوی احوال و آثار ص ۱۶۔

اس کے بعد بھی کوئی اعتراض کی گنجائش ہے۔

یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ:

میاں نذیر حسین کے سوانح نگار نے دستخط کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ اس کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس وقت الحیات بعد الممات لکھی گئی اس وقت تک صحیح حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ہند و پاک کو آزادی ملنے کے بعد خاص کر جناب عتیق صدیقی صاحب کا بڑا کارنامہ ہے کہ فتویٰ جہاد اور اس پر دستخط کرنے والوں کے نام کو فوٹو اسٹیٹ کرا کر شائع کر دیا۔ جس سے فضل حسین مظفر پوری کا یہ کہنا کہ الشیخ سید محمد نذیر حسین نے فتوے پر دستخط نہیں کئے غلط ثابت ہو گیا۔ اب فضل حسین صاحب کی عبارت پیش کرنا عبث ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا مصنف لکھتا ہے:

> مولوی حفیظ اللہ خاں، میاں نذیر حسین اور مولوی عبد القادر علمائے اہل حدیث کے سلسلے میں جماعت اہل حدیث کے وکیل اور اشاعۃ السنۃ لاہور کے ایڈیٹر مولوی ابو سعید محمد حسین بن شیخ رحیم بخش بٹالوی لکھتے ہیں:
>
> "مولوی سرفراز علی نے بحکم بخت خاں وہ فتویٰ پڑھ کر سنایا جب وہ فتویٰ تمام ہوا تو بخت خاں وغیرہ باغی افسروں نے علماء کو حکم دیا کہ اس فتوے پر اپنے دستخط کر دیں ورنہ سب قتل کر دیے جائیں گے۔ پس سب نے بخوف جان کرہاً و جبراً دستخط کر دیے اگر وہ دستخط نہ کرتے تو اسی وقت سب تلوار سے قتل کیے جاتے یا توپ سے اڑا دیے جاتے۔"[1]

---

[1] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۲۱۴۔

ابو سعید محمد حسین بٹالوی کی عبارت پر تبصرہ کرنے سے قبل ضروری ہے کہ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف نے جو تمہید کے طور پر لکھا ہے اس کا تجزیہ کر دیا جائے، موصوف نے فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے والوں میں صرف اہلِ حدیث علماء کرام کا ذکر کیا ہے، (۱) سید محمد نذیر حسین (۲) حفیظ اللہ خاں (۳) اور عبد القادر۔

مولوی عبد القادر کا شمار جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف کے اس مقام پر علماء اہلحدیث میں کیا ہے۔

المعارف لاہور ج ۹ شمارہ ۵ مئی ۱۹۷۶ء۔ جمادی الاول ۱۳۹۶ھ صفحہ، پر مولوی عبد القادر لدھیانوی نے لکھا ہے:

۳۴ علماء کرام نے فتوے جہاد پر دستخط کئے ہیں جن میں صرف ایک مولوی ۔۔ عبد القادر ہیں۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف نے ایک ہی عبد القادر کو دو شخصیت سے پیش کیا۔

تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے اسے مورخ و محقق کہیں یا بد دیانت، متعصب مصنف کہیں۔؟

جن علماء کرام کی موجودگی میں مولوی سرفراز علی نے فتوے جہاد پڑھ کر سنایا گیا اس وقت علماء اہلِ حدیث کے علاوہ کوئی دوسرا عالم موجود نہیں تھا؟ آئیے ابو سعید محمد حسین بٹالوی کی عبارت دیکھیں انھوں نے کیا لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں:

"بے شک علماء دہلی نے فتویٰ جہاد پر مواہیر کی ہیں مگر بخوف گولی و شمشیر کے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب باغی فوج دہلی میں آکر جمع ہوگئی، اور بخت خاں بریلی سے آیا اور مولوی رحمت اللہ اور مولوی عبد القادر مع اپنے فرزندوں کے بخت خاں کے ساتھ شامل ہوئے تو بخت خاں

نے ان لوگوں سے جہاد کا فتویٰ لکھوایا۔ پھر اس پر علماءِ دہلی کے دستخط ومواہیر ثبت کرانا چاہا۔ ایک روز بخت خاں مع افسروں باغی فوج جامع مسجد دہلی میں آیا اور سپاہیوں کی معرفت شاہ احمد سعید شاہ عبدالعزیزیہ خانقاہی اور مفتی صدرالدّین اور نواب قطب الدّین خاں صاحب اور مولوی کریم اللہ اور مولوی فریدالدّین اور مولوی ضیاءالرحمٰن اور مولوی نوازش علی اور مولوی رحمت اللہ بریلوی دہلوی (پہلے مولوی رحمت اللہ کیرانوی ہیں) اور مولوی حفیظ اللہ اور مولوی سید محمد حسین صاحبان کو بلوایا۔ پھر مولوی سرفراز علی نے بحکم بخت خاں وہ فتویٰ پڑھ کر سنایا جب وہ فتویٰ تمام ہوا تو بخت خاں وغیرہ باغی افسروں نے علماءؒ کو حکم دیا کہ اس فتویٰ پر اپنے اپنے دستخط کر دیں ورنہ سب قتل کیے جاویں گے پس سب نے بخوف جاں کرہاً وجبراً دستخط کر دئیے اور اگر وہ دستخط نہ کرتے تو اسی وقت سب تلوار سے قتل کیے جاتے یا توپ سے اڑا دیے جاتے“[1]۔

آپ نے دیکھا کہ مذکورہ بالا عبارت میں صرف علماءِ اہلحدیث کا ذکر نہیں ہے بلکہ علماءِ احناف بھی شامل ہیں اگر فتوےٰ جہاد پر جبراً کرہاً دستخط کیے تو احناف و اہلِ حدیث دونوں نے کیے۔ لیکن اہلِ حدیث کو بدنام کرنے کے لئے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف نے پوری عبارت ہی نقل نہیں کی۔

اس کے بعد لکھا ہے:

”دوسری دلیل یہ ہے کہ ان ہی مجبور ہو کر دستخط کرنے والوں مولویوں سے مولوی حفیظ اللہ خاں اور مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے مولوی شریف

---

[1] اشاعۃ السنۃ لاہور جلد ۵ نمبر ۱ بحوالہ آثار رحمت ص ۲۲۳ ۔ ۲۲۴ ۔

اور ان کے شاگردان مولوی محمد صدیق پشاوری اور مولوی عبد اللہ مرحوم غزنوی ۔

مذکورہ بالا حوالہ اس وقت مفید ہو سکتا ہے جبکہ فتویٰ جہاد پر مولوی شریف حسین ان کے شاگرد (شیخ الکل کے شاگرد) محمد صدیق اور مولوی عبد اللہ غزنوی کے دستخط ثابت ہو جائیں۔"

حق بات وہی ہے جو محمد میاں نے لکھی کہ

> "بہرحال دستخط کے وقت نہ مرعوبیت تھی نہ جبر و قہر بلکہ سوچ سمجھ کر بحث تجسس کے بعد دستخط کئے گئے ہاں ناکامی کے بعد جب دار و گیر کا سلسلہ شروع ہوا تو ممکن ہے کچھ علماء نے جبر کا عذر پیش کر دیا ہو۔" [1]

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریز کامیاب ہوئے ان کی مدد بعض مفاد پرست مسلمانوں اور ہندوؤں نے کی۔ اس کے بعد وہ ہند و پاک پر حکومت کرنے لگے۔ یہ بات وہابیوں کو پسند نہیں آئی ۔

مولانا عبد اللہ صادقپوری

مولانا عبد اللہ صادقپوری کے دور اقتدار میں جنگ امبیلا ۱۸۶۳ء کا واقعہ پیش آیا۔ جس کی وجہ سے دوست اور دشمن کی تمیز ہو گئی ۔

معرکۂ امبیلا ۱۸۶۳ء

مجاہدین اور انگریزوں کی لڑائیوں میں درّۂ امبیلا کی لڑائی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ برطانوی افسروں نے بڑے طنطنے کے ساتھ چڑھائی کی تھی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ انھیں اپنی مہم میں سخت ناکامی ہوئی ۔

(Chawberlain) کی سرکردگی میں سات ہزار برطانوی سپاہ توپ خانہ

Sir Nevilee.

---

[1] :- علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۴ ص ۱۹۷ ۔ [2] :- ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو جنرل چیمبرلین،

اور دوسرے سامان نقل وحمل سے آراستہ و پیراستہ مہم پر روانہ ہوتی ہے اور اس کروفر کے ساتھ اس فوج کے آرام و آسائش کی خاطر پورے پنجاب کا خون چوس لیا گیا تھا جس کا نقشہ The India Musalman صفحہ ۱۸ پر اس طرح کھینچا گیا ہے دوسری شام کو ایک دستہ امبیلا کی گھاٹی تک پہنچ گیا ہماری پشت پر کافی سپاہ اور توپ خانے تھے اور یہ بڑی خوش نصیبی تھی کہ حملہ آور فوج کی مدد کا اتنا کافی انتظام تھا اس لئے ۲۰؍ کو جنرل نے محسوس کیا کہ جن قبائل کی دوستی کا اسے اعتماد تھا وہ ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں اور دو روز بعد اس نے حکومت کو تار دیا کہ فوج گھاٹی کو عبور کئے بغیر رک گئی ہے۔ ۲۳؍ کو قبائل نے اپنی مخالفت کا اعلان کر دیا اور چند دن بعد سوات کے مذہبی رہنما نے بھی دشمن کے ساتھ اپنی رفاقت کا اعلان کر دیا۔ اسی دوران سرحد سے حکومت کو کمک کے لئے تار موصول ہونے لگے۔ فیروز پور رجمنٹ کا ایک دستہ روانہ ہوا۔ ایک دوسرے پیادہ دستہ نے پشاور سے جہلم کا رخ کیا۔ سیالکوٹ اور [illegible] سے بھی کمک روانہ ہوئی۔ تین ہفتوں کے اندر اندر پنجاب کی چوکیاں سپاہ سے اس طرح خالی ہوئیں کہ میاں میر کا کمانڈر نگ افسر مشکل سے چوبیس سنگینوں کی سلامی پیش کر سکا۔

جنگِ امبیلا کی یہ پوزیشن دیکھتے ہوئے کسی کے وہم و گمان میں نہیں آ سکتا کہ مجاہدین کو شکست ہو سکتی ہے۔ لیکن رشوت ایسی ملعون شئی ہے کہ بڑے بڑے مجاہد و متقی تک کو اپنے ارادہ سے متزلزل کر دیتی ہے جس کے متعلق مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

> ”اگر لاکھوں روپے رشوت دیکر ان بگڑے ہوئے افغانوں کو راضی نہ کیا جاتا تو ایک آدمی بھی انگریزی فوج کا واپس نہ آتا“[1]

---

[1]: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۰۳۔

”ہنٹر W. W. Hunter صاحب تحریر فرماتے ہیں :

”لیکن جو کام ہماری سپاہ سے نہ ہو سکا وہ ہماری ڈپلومیسی نے کر دکھایا۔ سرحدی قبائل کا اتحاد ڈانواں ڈول ہوتا ہے۔ ۲۵ر نومبر کو پشاور کے کمشنر نے بینر کے بعض قبیلوں کو الگ کر لیا اس کے علاوہ دو ہزار کے ایک اور دستے کو گھر جانے پر راضی کر لیا۔ نیز سوات کا سردار اپنے خاص ماننے والوں کو منتشر کرنے پر راضی کر لیا گیا۔“ [1]

ہنٹر (W. W. Hunter) نے رشوت کا نام ڈپلومیسی رکھا ہے۔ اس رشوت کا انجام یہ ہوا کہ مجاہدین کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی ۔

انگریز سامراج نے جنگ امبیلا میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ۱۸۶۴ء سے وہابیوں کے خلاف پانچ مقدمات قائم کیے جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

پہلا مقدمہ سازش انبالہ ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۴ء

۱۸۶۴ء میں یہ مقدمہ قائم کیا گیا جس میں گیارہ ملزم تھے ۔

۱۔ مولانا یحییٰ علی جعفری صادق پوریؒ : راوینتا نے ان کا عہد امیر الداعظین بیان کیا ہے اگرچہ موصوف انتظام جماعت کے ذمہ دار تھے ۔

۲۔ مولانا عبدالرحیم صادقپوریؒ : تقریبًا سولہ سال جزائر انڈیمان رہ کر ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۲ء میں رہا ہوئے اور ۱۳۴۱ھ ۱۸۸۲ء میں رہا ہوئے اور ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء میں وفات پائی ۔

۳۔ منشی محمد جعفر تھانیسری : مولانا عبدالرحیم صادق پوریؒ کے ساتھ رہا ہوئے اور ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء میں وفات پائی ۔

---

[1] : (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۱۰۳)

۴۔ میاں عبد الغفار:۔ مولانا ولائیت کے خادم تھے اور اہل صادق پور ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ تقریباً ۱۳۳۳ھ میں وفات پائی۔

۵۔ قاضی میاں جان:۔ آپ کمر گلی ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ عمر ۶۰ سال انبالہ جیل میں وفات پائی۔

دوسرا مقدمہ سازش پٹنہ:-

۱۸۶۵ء میں دوسرا مقدمہ قائم کیا گیا جس میں خاص کر مولانا احمد اللہ صادقپوری کو نشانہ بنایا گیا اور جلاوطنی کی حالت میں جزائر انڈیمان میں تقریباً ۱۲۹۸ھ میں وفات پائی۔

تیسرا مقدمہ سازش مالدہ

۱۸۷۰ء میں مالدہ اور راج محل کے مقدمات قائم کیے گئے۔ ۱۸۷۰ء میں اول مقدمہ مولوی امیر الدین کے خلاف قائم کیا گیا۔ مولوی امیر الدین کون تھے؟ ان کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا ولائیت علیؒ کے خلیفہ عبد الرحمٰن لکھنوی نے مالدہ میں تبلیغ کی اور وہیں آباد ہو گئے۔ ان کے رفقاء کار میں ایک صاحب منڈل نامی تھے۔ منڈل کو ۱۸۵۳ء میں گرفتار کیا گیا لیکن بعد میں رہا کر دیے گئے۔ منڈل کے برخوردار مولوی امیر الدین نے مجاہدین کی خدمت کی ذمہ داری قبول کر لی جس کی وجہ سے ان پر مقدمہ قائم کیا گیا اور حبس دوام بعبور دریائے شور اور املاک کی ضبطی کی سزا ہوئی۔ مارچ ۷۲ء ۱۸۷۲ء کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملا صرف دس سال کی جلاوطنی کے بعد موصوف وطن واپس آ گئے۔

چوتھا مقدمہ سازش

۱۸۷۰ء میں راج محل صوبہ بہار میں ابراہیم منڈل کے خلاف بغاوت کا مقدمہ قائم کیا گیا۔ ابراہیم منڈل نے اہلِ صادق پور کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

* * *

پانچواں مقدمہ سازش

مارچ ۱۸۷۱ء میں قائم کیا گیا۔ اس مقدمہ میں کل سات ملزم تھے۔ (۱) پیر محمد (۲) امیر خان (۳) حشمداد خاں (۴) مبارک علی (۵) تبارک علی (۶) حاجی دین محمد (۷) امین دین۔

ان سب کا تعلق اہلِ صادق پور سے تھا یعنی اہل صادق پور کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی تھی۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا تعلق صرف پٹنہ سے ہے وہابیوں کا دوسرا مرکز دہلی تھا جس کے متعلق جناب ڈاکٹر قیام الدین احمد لکھتے ہیں:

نذیر حسین محدث دہلوی

نذیر حسین تفسیر اور فقہ اسلامی کے مشہور استاد شروع میں سورج گڈھ ضلع منگیر کے متوطن تھے بعد میں دہلی میں جا بسے۔ شروع میں سید احمد سے ان کی ملاقاتوں نے ان کو کچھ متاثر اور اس تحریک کا ہمدرد بنایا ہوگا گو اس کا کوئی یقینی ثبوت نظر نہیں آتا۔ مگر امید علی کے بیان نے نذیر حسین کو یہ کہہ کر صاف صاف ملوث کر دیا کہ فیروز شاہ کے قاصد آئے تھے تو وہ بھی موجود تھے۔ نذیر حسین کے گھر کی تلاشی سے بہت سے مشتبہ قسم کے خطوط نکلے۔ ان میں سے بعض وہابیوں جیسے جعفر تھانیسری اور مبارک علی عظیم آبادی کے خطوط بھی نذیر حسین کے نام تھے۔ ایک خط نذیر حسین کا لکھا ہوا سرحد کے وہابی سردار عبداللہ کے نام بھی تھا۔ دہلی نے ضابطہ ۳ کے تحت ان کی گرفتاری کی سفارش کی لیکن وہ ایک مشہور معروف عالم تھے، اور ان خلاف کسی اطمینان بخش شہادت کے بغیر حکومت اس انتہائی اقدام سے متامل تھی۔ حکومت نے اس معاملے کی رپورٹ حکومت پنجاب کو (جس کے ماتحت خطہ دہلی تھا) بھیج دی اور درخواست کی کہ وہ جو اقدام مناسب سمجھے کرے۔ حکومت پنجاب نے ان کو احتیاطی طور پر چھ ماہ جیل میں قید رکھنے کا حکم نافذ کیا مگر اسکے فوراً بعد ہی اکو رہا کر دیا۔[1]

---

[1] ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۳۱۵۔

وہابی لیڈر الشیخ سید محمد نذیر حسین بہاری پر جیل میں کیا گزری اس کے متعلق امام ابو یحییٰ خاں نوشہروی کی تحقیق مندرجہ ذیل ہے۔

ایک سال تک راولپنڈی جیل میں محبوس رہے روزانہ پھانسی کی دھمکیاں دی جاتیں مگر پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی۔[1]

انگریز رہا کرنے پر مجبور تھا جناب پروفیسر عبد الحلیم لکھتے ہیں:

It will be difficult to obtain evidence against him[2]

ترجمہ:۔ "ان (مولوی محمد نذیر حسین) کے خلاف ثبوت مہیا ہو جانا بہت مشکل ہوگا"

یہ کیوں مشکل کام تھا شاید اس لئے کہ دہلی میں ان اثرات بہت تھے جیسا کہ اس سے پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

ایک کامیاب لیڈر کے لئے یہ ضروری ہے کہ حکومت کے لئے کبھی اور کسی حالت میں اپنی جماعت کے خلاف کوئی اور کسی کی شہادت مہیا نہ ہونے دے برخلاف ان کے جو سیاست میں اپنی ناتجربہ کی بناء پر حکومت کو پارٹی کے خلاف شہادت مہیا ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر (تحریک شیخ الہند) کے دوران مولانا عبید اللہ سندھی نے ایک خط لکھا اور ایسے شخص کے حوالے کیا کہ وہ اس قابل نہ تھا کہ اس پر اعتماد کیا جائے

مولانا سید محمد میاں لکھتے ہیں:

"مولانا نے کابل سے ایک خط ریشمی پارچہ پر لکھ کر شیخ عبد الخالق نو مسلم کے ہاتھ شیخ عبد الرحیم سندھی کے پاس بھیجا تھا اور تاکید کر دی تھی کہ شیخ صاحب فوراً حجاز چلے جائیں یا کسی معتمد علیہ حاجی کے ذریعہ سے خط

---

[1] :۔ تراجم علمائے اہلحدیث ہند طبع انڈیا ص ۱۴۹۔ [2] :۔ Wohhabi Trial of 1863-1870.

شیخ الہند کو پہنچا دیں۔ شیخ عبدالخالق طلبا کے ساتھ ہجرت کر کے کابل پہنچا تھا، اور بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ نواز خاں کا ملازم تھا۔ وہ شخص ہر محافظ سے قابلِ اعتماد تھا لیکن خدا جانے کیا حالات پیش آئے کہ اس نے خط شیخ عبدالرحیم کے حوالہ کرنے کے بجائے اللہ نواز خاں کے والد خان بہادر رب نواز خاں کو دے دیا۔ ان کے ذریعہ سے پنجاب کے گورنر مائیکل اوڈوائر کے پاس پہنچا۔ اس طرح حکومت کو حضرت شیخ الہند مولانا عبداللہ اور دوسرے کارکنوں کی تحریک کے کچھ راز معلوم ہو گئے۔[1]

تاریخ سے سبق حاصل نہیں کیا گیا

تاریخ گواہ ہے کہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین امام المتقین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسلمانوں سے جو مرتد ہونے کے بعد دوبارہ مسلمان ہوئے تھے۔ جہاد میں کسی قسم کی بھی اعانت حاصل کرنے سے منع کر دیا تھا، امیر المومنین خلیفۃ المسلمین امام المتقین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نومسلموں کو صرف ساماں رسید پہنچانے کی اجازت دی۔ اس کے امیر المومنین خلیفۃ المسلمین امام المتقین شہید اعظم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نومسلموں کو جہاد میں حصہ لینے کی اجازت دیدی جس کا نتیجہ آپ کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوا۔

مولانا عبیداللہ سندھی اگر تاریخ سے سبق حاصل کرتے تو کبھی بھی تحریک شیخ الہند کا راز فاش نہ ہوتا۔ یہ ہے ان کی سیاست سے لاتعلقی کا سبب۔

کیا وہابی لیڈر ۱۸۶۵ء کی رہائی کے بعد تحریک مجاہدین سے لاتعلق ہو گئے تھے؟ اس کے متعلق ڈاکٹر قیام الدین احمد لکھتے ہیں:

> دسمبر ۱۸۶۵ء میں عبداللہ نے راولپنڈی میں جو بیان دیا تھا اس کے مطابق نذیر حسین دہلی میں وہابی کارکنوں کے صدر تھے۔ راج محل کے

---

[1] تحریک شیخ الہند ص ۱۱۱-۱۱۲ ۔

ایک گواہ نے بھی شہادت دی کہ نذیر حسین نے اس کو سرحد جانے پر آمادہ کیا تھا۔ ریلی نے سفارش کی کہ نذیر حسین کے معاملہ کی دوبارہ جانچ کی جائے اور گواہوں سے ان کا مقابلہ کرایا جائے۔ کاغذات حکومت پنجاب کو پھر بھیجے گئے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خلاف کوئی ... کارروائی نہ کی گئی مگر بعد کی تحقیقات میں وہ نمایاں نظر آئے [1]

المیہ ہے کہ وہابی لیڈر سید محمد نذیر حسینؒ محدث بہاری ثم دہلوی ہند و پاک کے علاوہ بیرون ملک یعنی مکۃ معظمہ و مدینہ منورہ میں بھی اطمینان القلب کے ساتھ حج جیسے فریضے کو ادا نہیں کر دیا۔ ملاحظہ فرمائیں :

---

[1] :- ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۳۱۵ -

میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کے سفرِ حج میں پیش آمدہ واقعات
کا
جائزہ

۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں شیخ الکلؒ نے حج بیت اللہ کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ یہ خیال بھی دامن گیر تھا کہ مخالفین ایذارسانی میں کمی نہیں کریں گے، کیونکہ حجاز میں علماء اہلِ حدیث کے ساتھ جو کچھ سلوک ہو رہا تھا اس سے شیخ الکلؒ غافل نہ تھے۔

حجاز میں اہلِ حدیث کے ساتھ جو ظلم وستم ہو رہا تھا اس کے متعلق مولانا.. ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں:

مکے میں علمائے اہلِ حدیث پر قیامت

تفصیل یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان میں وہابیوں کی جانب سے گورنمنٹ ہند نہایت برافروختہ تھی اور ان کی جماعت کو سخت خطرناک پولٹیکل جماعت سمجھتی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ جماعت مولانا اسماعیل کی.. جماعت سمجھی جاتی تھی۔ جنہوں نے اپنی تحریک کی بنیاد مسئلہ جہاد پر رکھی تھی اور سکھوں سے عملاً جہاد کیا تھا۔ مولانا اسماعیل کے بعد سید صاحب کی جو جماعت سرحد پر گئی تھی وہ مولانا صادق پوری کی امامت میں از سرِ نو قائم ہوئی اور اس سے انگریزوں سے دو تین مرتبہ مڈھ بھیڑ ہوئی تھی اور گورنمنٹ کو خیال ہو گیا تھا کہ اب یہ جماعت انگریزوں سے جنگ کرنا چاہتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ غدر میں سپاہیوں نے جو فتنے مرتب کئے تھے، اُن پر بعض وہابی علماء کی بھی مُہریں تھیں۔ ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ جماعت ملک میں نہایت قلیل تھی اور سوادِ اعظم

سے سخت مذہبی مخالفت برپا تھی۔ مخالفین اُسے نقصان پہنچانے کے لئے ہر طرح کی کوششیں کرتے تھے۔ ایک بڑی کوشش یہ بھی تھی کہ گورنمنٹ کو یقین دلاتے تھے کہ یہ جماعت اُس کے خلاف ہے اور جہاد کرنا چاہتی ہے جس کے باور کرنے میں گورنمنٹ کو زیادہ پس و پیش نہ ہوا، کیونکہ جو مشہور خاندان وہابیوں کے بنگال اور پٹنے کے گرفتار ہوئے تھے، اُن کے یہاں ایک بہت بڑی تعداد ایسی تحریرات کی برآمد ہوئی جن میں انگریزوں کے برخلاف دعوت دی گئی تھی اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ جماعت عام طور پر اس کا اعلان بھی کر چکی تھی اور اس موضوع پر بعض کتابیں بھی لکھی گئی تھیں۔

ان اسباب سے اُس زمانے میں گورنمنٹ کو جس کسی پر وہابی ہونے کا شبہ ہو جاتا۔ فوراً گرفتار کرتی۔ مقدمہ چلاتی، پھانسی ورنہ کم از کم کالے پانی یا حبسِ دوام کی سزا دیتی۔ چنانچہ اس جماعت کے سینکڑوں علماء، امراء، تاجر کالے پانی بھیجے جا چکے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جن پر مقدمے چلائے جاتے تھے، ان کے تمام اہل و عیال بھی تباہ ہو جاتے تھے۔ کیونکہ یا تو وہ بھی گرفتار ہوتے تھے، ورنہ جائداد کی ضبطی کی وجہ سے خود بخود تباہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مشہور مقدمہ وہابیان بنگالہ اور خاندانِ صادق پور کے نتائج یہی ہوئے جو بہت مُتموّل تھا۔ اسی طرح کلکتے کے مشہور تاجرانِ چرم، امیر خاں اور حشمت خاں کے خاندان بھی برباد ہوئے۔

ان اسباب کی وجہ سے اس جماعت کے عُلماء نے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ ہجرت کر جائیں۔ بہت سے لوگ تو غدر کے موقعہ ہی پر چلے گئے تھے اور جو اس دار و گیر سے کسی طرح بچے، انھوں نے بھی حجاز کو دار الامن سمجھ کر ہجرت کی۔ چنانچہ غدر کے بعد علمائے وہابیہ کی ایک بڑی جماعت مکہ معظمہ میں فراہم ہو گئی تھی۔

لیکن یہاں بھی اس کے برخلاف متعدّد اسباب موجود تھے۔ سب سے پہلے یہ کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کی جماعت سے عُلمائے حجاز و عوام کو سخت تعصُّب و عناد تھا پھر سلطنتِ عثمانیہ نے پولیٹیکل اغراض و مصالح سے وہابیوں کو بہت بدنام کیا تھا اور وہابی ہونے کو عملاً ایک بہت بڑا جُرم قرار دے رکھا تھا۔ ان اسباب سے البلد الامین . . . . (مکّہ) میں وہابیوں کی جماعت کے لئے امن نہ تھا۔ اور وہ ایک باغیانہ جماعت سمجھی جاتی تھی۔

ابتداء میں علماءِ حجاز اور گورنمنٹ کو اس تحریک کی خبر نہ تھی جو ہندوستان میں شروع ہوئی تھی۔ بلکہ جب مولانا محمد اسماعیلؒ نے مولانا سید احمد صاحب کے ساتھ حج کا سفر کیا تو یہ وہاں بہت اچھا اثر چھوڑ آئے تھے، اس لئے وہابیہ ہند کی جماعت سے کسی کو کوئی سُوءِ ظن نہ تھا۔

مولانا آزادؒ کی حق گوئی

لیکن ہندوستانی عُلمائے مقیمین نے یہ فتنہ اٹھایا اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس میں سب سے بڑا حصّہ والد مرحوم کا تھا، اُن کے تعلقات، شریف اور قسطنطنیہ، دونوں سے گہرے تھے۔ انھی نے علمائے حجاز اور شریف کو مطلع کیا کہ یہ جماعت باعتبارِ عقائد، محمد بن عبدالوہاب کی جماعت ہے اور ہندوستان سے خاص اس لئے آئی ہے کہ یہاں اپنی تحریک پھیلائے۔ ثبوت میں تقویۃ الایمان اور بعض دوسری کتابوں کے حسبِ حال مطالب عربی میں ترجمہ کر کے شائع کر دیئے۔

اس زمانے میں ہندوستانی علمائے وہابیہ کی جو جماعت وہاں تھی اُس میں مولوی انصاری سہارنپوری، مفتی محمد مُراد بنگالی، شیخ عبداللطیف، قاضی محمد سلیمان جوناگڈھی بھی تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہندوستان میں اپنا مسلک اور تصانیف شائع کر چکے تھے، اور حکّام کو مخالف پاکر ہجرت پر مجبور ہوئے تھے۔

والد مرحوم نے شریف کو ان لوگوں کے خلاف سخت برانگیختہ کر دیا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا کہ قاضی محمد مُراد، طائف گئے۔ جب واپس آئے تو شیخ عبداللہ مرداد، امام حنفی ان سے ملنے گئے اور دستور کے مطابق سلام کے بعد "زیارت مقبولہ[1]" کہا۔ جس سے مراد حضرت ابن عباسؓ کی قبر کی زیارت تھی۔ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ میں کسی قبر کی زیارت کے لئے نہیں گیا تھا بلکہ محض تفریح کے لئے گیا تھا۔ اس بات کا بہت چرچا ہوا۔ اور شریف تک پہنچائی گئی۔ اور اس کے معنی یہ ٹھہرائے گئے کہ یہ لوگ بھی محمد بن عبدالوہاب کی طرح قبورِ صالحین کی زیارت کے مخالف ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ چند دنوں کے بعد اچانک اس جماعت کے اکتیس آدمی گرفتار کر لئے گئے، جن میں مولانا رحمت اللہ صاحب "اظہار الحق" بھی تھے، لیکن یہ بعد کو رہا کر دیے گئے کیوں کہ انھوں نے اپنی حنفیت کے بہت واضح دلائل پیش کر دیے تھے۔ شریف نے ایک مجلس مقرر کی اور والد مرحوم سے کہا کہ ان لوگوں کے عقائد کی تحقیقات کریں۔ اُن پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ بھی محمد بن عبدالوہاب کی جماعت سے ہیں۔ انھوں نے اس سے انکار کیا۔ اس پر والد مرحوم نے سترہ سوال مرتب کر کے پیش کیے، جن میں وجوب تقلید شخصی، استحباب قیام، زیارتِ قبور کے لئے سفر اور استمداد و توسّل بالصالحین وغیرہ سوالات تھے۔

افسوس ہے اس موقع پر بجز تین شخصوں کے اور سب نے تقیّہ کیا اور کسی نے بھی استقامت نہ دکھائی۔ مولوی محمد انصاری، مولوی محمد لطیف اور قاضی محمد مُراد نے بڑی جرأت دلیری کے ساتھ اپنے صحیح عقائد پیش کر دیے اور کہا، اگر قرآن و سُنّت پر عمل کرنا اور بدعت سے اجتناب کرنا جرم ہے تو ہم مجرم ہیں اور ہر طرح

---

[1] یعنی زیارتِ قبور مبارک ہو۔

کی سزا برداشت کرنے کو تیار!

پھر اُن سے کہا گیا کہ اپنے عقائد سے توبہ کریں۔ سخت تعزیر کی جائے گی لیکن یہ اس پر رضامند نہ ہوئے۔ اس پر شریف نے ان تینوں میں سے ہر ایک کو اُنتالیس اُنتالیس کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ اُنتالیس اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک حد کی تعداد چالیس کوڑے ہیں اور تعزیر کو اس تعداد سے کم ہونا چاہیے۔

عبرت اس موقعہ پر نہایت عبرت انگیز بات یہ ہے کہ جب اسلامی حکومت اور جوار بیت اللہ میں ایک مسلمان جماعت علماء پر یہ ظلم و ستم ہو رہا تھا تو اُس وقت اگر اُن کو کوئی پناہ مل سکی تو انھی کفار کے دامن میں جن سے بھاگ کر یہ آئے تھے! ان میں سے بعض کے احباب ان کی گرفتاری کے بعد ہی جدّہ آگئے تھے اور برٹش قونصل کو خبر دی گئی کہ برٹش رعایا پہ یہ عذاب نازل ہو رہا ہے۔ برٹش قونصل نے اس معاملے کو قابلِ مداخلت خیال کیا اور گورنر مکّہ کو مراسلت بھیجی کہ برٹش رعایا کی گرفتاری بجز فوجداری جرائم کے اور کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی، اور اگر انہیں چوبیس گھنٹے کے اندر نہ چھوڑ دیا گیا تو برٹش گورنمنٹ اس معاملے کو باب عالی کے رُوبرو پیش کرے گی۔ تب گورنر نے شریف پر زور ڈالا اور تعزیر کی کاروائی وقوع میں آنے سے پہلے ہی یہ لوگ مجبوراً چھوڑ دیے گئے، لیکن انھیں یہ سزا دی گئی کہ سب کے سب اکتیس آدمی خارج البلد کر دئیے گئے اور حجاز کی پولیس نے انھیں جدّے میں لاکر برٹش قونصل کے حوالے کر دیا۔

جدّے سے یہ لوگ جہاز میں بٹھا کے بمبئی بھیجے گئے لیکن ہندوستان پہنچتے ہی ان پر بلا آئی۔ ان کے مخالفین نے یہ کارروائی کی کہ ہندوستان کے تمام نقاط کو یہ اطلاع بھیج دی کہ یہ لوگ مخذول و مردود کر کے حرم سے خارج کر دیے گئے ہیں اور اس لئے سخت مکروہ ہیں اور آئندہ سے کوئی وہابی حرم میں نہ گھسنے پائے۔ گورنمنٹ ہند

نے بھی ان کے ساتھ سخت کارروائی کرنی چاہی۔ اور سب کسی نہ کسی طرح بچ گئے۔ قاضی سلیمان کو جب بمبئی میں معلوم ہوگیا کہ وہ گرفتار کیے جانے والے ہیں تو اپنے بعض دوستوں کی مدد سے بغداد چلے گئے۔ مگر قاضی محمد مراد کسی طرح بھی نہ بچ سکے اور کلکتہ پہنچتے ہی گرفتار ہو گئے۔ وہابیت کا مقدمہ قائم ہوا۔ دورانِ مقدمہ میں جیل کے اندر انھیں ایسی سخت.. تکالیف برداشت کرنا پڑیں کہ ان کے صدمے ہی سے انتقال کر گئے اس واقعہ کے بعد حجاز میں وہابیت کے متعلق از سرِ نو سرگرمی پیدا ہو گئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستانی علما ہر وقت خطرے میں رہنے لگے۔ جھوٹے الزامات کا بازار گرم ہو گیا۔ جس طرح ہندوستان میں کسی کو مصیبت میں پھنسانے کے لئے اُسے وہابی کہہ دینا کافی تھا اگرچہ غلط ہی ہو اسی طرح مکّے میں بھی یہ الزام ذاتی عداوتوں اور انتقام کا ایک زبردست آلہ بن گیا۔ اور اس اعتبار سے حکومتِ اسلامیہ، اور حکومتِ کفار دونوں برابر ہو گئے۔

وہابیت کا رد

اسی زمانے میں علمائے مکّہ نے والد مرحوم سے کہا کہ وہابی عقائد کی کتابیں اردو میں ہیں، جنھیں وہ سمجھ نہیں سکتے، نیز نجدی.. عقائد کا بھی رد کافی طور پر نہیں ہوا ہے۔ شیخ احمد دحلان نے اس بارے میں خاص طور پر زور دیا۔ اور اسی طرح والد مرحوم نے ایک کتاب نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی جو اُن کی تصانیف میں سب سے بڑی ہے۔ اس کا نام "نجم[عہ]... الرجم الشیاطین" ہے۔ یہ دس جلدوں میں ختم ہوئی ہے اور ہر جلد بہت ضخیم ہے۔ اس کی ترتیب اس طور پر ہے کہ ایک سو چودہ مسئلے مابہ النزاع منتخب کئے ہیں۔ اتنی تعداد جزئی جزئی اختلافات کے استقصاء کی وجہ سے ہو گئی ہے۔ ہر مسئلے کے لیے ایک باب قائم کیا ہے اور اس میں پہلے قرآن سے، پھر احادیث سے، پھر اقوالِ علما سے رد کا التزام

[عہ] مسودے میں یہ جگہ خالی ہے۔

کیا ہے۔ اس طرح کتاب، ایک سو چودہ ابواب پر مشتمل ہے، ایک جلد صرف مقدمے میں ہے، اور چونکہ وہ ان مسائل کے متعلق نہیں ہے اس لیئے معلومات کے اعتبار سے بیکار آمد ہے۔ اس میں اصولی طور پر عقائد اہلسنت پر بحث کی ہے اور ہر طرح کے اختلافات کو ختم کر کے اپنے مسلک کو بہت شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔

انتظام یہ کیا گیا تھا کہ کتاب کی تصنیف و اشاعت ایک ساتھ ہو۔ چنانچہ پہلی جلد جوں ہی تیار ہوئی، چھپ گئی۔ اسی طرح دوسری جلد بھی۔ یہ دونوں مکے کے سرکاری پریس مطبع میری میں چھپی ہیں۔ لیکن چونکہ اس درمیان میں سفر پیش آگیا، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس لئے بقیہ جلدیں نہ چھپ سکیں۔

اس کے علاوہ ایک اور رسالہ بھی اسی مطبع میں چھپا ہے۔ جس میں اُنھوں نے وہ ایک سو چودہ مسئلے بلاتردید کے اس طور پر درج کئے ہیں جن کو وہ عقائد اہلسنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دیباچے میں لکھا ہے کہ شریف کی فرمائش اور شیخ احمد دحلان کے اصرار سے اس رسالے کو مرتب کیا ہے۔ اور اس میں شیخ احمد دحلان کو بھائی کے لقب سے لکھا ہے۔ جس سے ان کے باہمی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ [لہ]

ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے بلکہ قارئین خود فیصلہ کریں کہ مکہ میں جو علماء ہندوستانی تھے وہ کون تھے؟

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد "حجاز مقدس اور البلد الامین" میں عقائد کی وہ جنگ لڑ رہے تھے جو آج سے چودہ سو سال قبل مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے لڑی تھی۔

جب شیخ الکل ؒ نے حج کا مصمم ارادہ کر لیا، تب ہندوستان سے حجاز میں خبر پہنچائی

[لہ] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی۔ طبع انڈیا ص ۸۴ تا ۹۲۔

گئی کہ وہابیوں کا سرغنہ حج کرنے آرہا ہے اگر محفوظ چلا گیا تو یہ وہابیوں کی فتح ہوگی۔ اس خبر کے بعد وہاں ایک کمیٹی ترتیب دی گئی جس کے مخصوص چار اصحاب تھے۔

(۱) مولانا رحمت اللہ کیرانوی (۲) حاجی امداد اللہ (۳) مولوی عبد القادر بدایونی (۴) مولانا خیر الدین۔

اس لئے ضروری ہے کہ مذکورہ اشخاص کا تعارف کرایا جائے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی

مولوی صاحب موصوف مغربی یوپی مظفر نگر کے ایک قصبہ "کیرانہ" کے باشندے تھے۔ انکے رفیق ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی عیسائی مذہب کے متعلق بہت وسیع اور گہری معلومات رکھتے تھے۔ انہی ڈاکٹر صاحب کی رفاقت میں مولوی رحمت اللہ صاحب کو بھی عیسائیت پر کافی عبور ہو گیا۔ پادریوں سے بعض اہم مناظرے کئے اور ان کے رد میں کتابیں لکھیں۔

موصوف ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد ہجرت کرکے مکہ معظمہ چلے گئے اور وہاں آباد ہو گئے۔ وہاں انھوں نے اہل حدیث اور ان کے مسلک پر کیا کیا نوازشیں کیں۔ اس پہلو پر ان کے معاصر اور زخم خوردہ مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی نے روشنی ڈالی ہے۔

"مولوی رحمت اللہ مذکور کو اگرچہ عیسائیوں کے رد وجوابات میں باعانت.. ڈاکٹر وزیر خاں بڑا دخل رہا ہے۔ مگر اسلامی علوم خصوصاً قرآن وحدیث میں اس کو چنداں مہارت نہیں ہے اور اسی وجہ سے بلاواسطہ تقلید سابقین قرآن وحدیث پڑھنے پڑھانے اور اس پر عمل کرنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ اور جو لوگ بلاواسطہ پچھلے علماء کے قرآن وحدیث پڑھیں یا اس پر عمل کریں ان کو وہ مکہ مکرمہ میں چین نہیں لینے دیتے۔

ایک بزرگ (شیخ محمد نامی) حرم محترم میں حدیث پڑھایا کرتے تھے۔ اس کو

حکماً اس سے ہٹا دیا۔ پھر وہ ایک مدت تک ایک حلوائی کی دوکان کی ایک کوٹھڑی میں چھُپ کر حدیث پڑھاتے رہے۔ اس کو بھی اس نے حکومت سے کہہ کر بند کرا دیا۔

ایک دفعہ حدیث کی ایک کتاب "سفر السعادۃ" (تصنیف علاّمہ مجدالدین.. صاحب قاموس) مکّہ میں آئی۔ اور شائقین حدیث نے اس کی ترویج چاہی تو اس کو بھی اس نے جاری نہ ہونے دیا۔

خاکسار نے مکّہ مکرمہ میں چار مہینے رہ کر اکثر ان حالات کو بچشمِ خود ملاحظہ کیا۔ صرف سُنی سنائی باتوں کو بیان نہیں کر دیا۔ لہ"

مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی نے مولوی رحمت اللہ کیرانوی صاحب کو مذکورہ کمیٹی کا صدر بیان کیا ہے۔ چنانچہ یہ صدر صاحب ترکانِ عثمانی اور حکومت نجد کے درمیان عقیدہ و عمل جو خلیج حائل تھی اس کو وسیع سے وسیع تر بنانے کی برطانوی.. سامراج کی ڈپلومیسی کو بروئے کار لانے میں سرگرم و مشغول تھے۔

اس حکمتِ عملی کی کامیابی کے لیے مقامی مسائل میں براہِ راست تو غیر ملکی دخل نہیں دے سکتا تھا۔ اس لیے اس کمیٹی نے ترکانِ عثمانی کے مذہبی عقائد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیخ الکل رح کے مسلک کو سیاسی رنگ میں پیش کیا تاکہ وہ مشتعل ہو کر حضرت میاں صاحب کو مصائب میں مبتلا کر دے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا یہ مشغلہ کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ راقم الحروف سنہ ۱۹۵۰ء میں دارالعلُوم تقویۃ الاسلام شیش محل روڈ لاہور میں صحیح مسلم اور مؤطا امام مالک رح پڑھتا تھا اُسی زمانہ میں دارالعلُوم دیوبند کے متعلق اخبارات ہند میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ مولانا حسین احمد مدنی صاحب نے اہلِ حدیث طلبا کو دارالعلُوم دیوبند سے خارج کر دیا۔

لہ:۔ اشاعۃ السنۃ ج ۶ شمارہ ۱۰ ص ۲۸۹۔

اسی طرح مولینا غلام اللہ صاحب نے راولپنڈی کی اہلِ حدیث مسجد پہ غاصبانہ قبضہ کیا۔ ع

ہمیں یاد ہے وہ ذرا ذرا
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب

مذکورہ کمیٹی کے ارکان میں دوسرے ذی اثر حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی ثم مکی کا نام شامل ہے۔ جن کے متعلق مولانا عبید اللہ سندھی کی رائے پیش کی جاتی ہے۔

"امیر امداد اللہ صاحب کا اصل نام امداد حسین تھا۔ جسے مولانا اسحاق صاحب نے بدل کر امداد اللہ کر دیا۔ حاجی امداد اللہ کی ذات مرجع خلائق تھی۔ اور آپ سے بے شمار اہلِ فن نے فیض پایا۔ ان میں سے مشہور مولانا قاسم، رشید احمد، شیخ فیض الحسن سہارنپوری اور دوسرے نامی گرامی علمائے ہند ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں آپ معرکہ شاملی کے امیر تھے۔ اس کے بعد موصوف چھپ کر حجاز چلے گئے۔ اور مکہ معظمہ میں اقامت پذیر ہو گئے۔ حاجی امداد اللہ دیوبندی جماعت کے امیر تھے۔ ۱۳۱۷ھ میں انتقال فرمایا،، لہ

آگے چل کر مولانا عبید اللہ سندھی نے جو حالات بیان کیے ہیں ان سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ فتویٰ جہاد کے بارے میں ان حنفیوں میں اختلاف ہوا تھا۔ اس اختلاف میں جو عوامل ومحرکات کارفرما تھے، ان میں اندیشہ سود وزیاں اور مصلحت وقت ہی زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ اسی جذبے نے آگے چل کر برطانوی سامراج کی وفاداری کو وجہِ افتخار بنا دیا۔ اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں

لہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ ص ۲۵۸۔

فتوے جہاد کے خلاف شیخ محمد تھانوی صاحب نے جو رویہ اختیار کیا، اس رویے کی اتباع مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے کی۔ مولانا تھانوی کے اسی مسلک کی بناء پر مولانا عبید اللہ سندھی نے اس کے "استحقاق جانشینی" پر احتجاج کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> "شیخ محمد تھانوی وہ بزرگ ہیں جن کے مسلک پر مولانا اشرف علی تھانوی کاربند تھے اور شیخ الہند کی جماعت کی سیاست کو غلط مانتے ہیں۔ مولانا اشرف علی مرحوم کے سوانح حیات جو شائع ہو چکے ہیں، ان میں تصریح ہے کہ آپ شیخ محمد صاحب کے مسلک کے پیرو ہیں۔ مولانا شیخ محمد تھانوی اور امیر امداد اللہ، ایک ہی مرشد کے خلیفہ ہیں اور اسی مسئلہ جہاد پر آپس میں مخالف ہو گئے اور جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تو اب امیر امداد اللہ کی جانشینی کا استحقاق مولانا اشرف علی صاحب کو کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی خطرناک استادی ہے جو مولانا شیخ الہند اور ان کے اساتذہ کے خصوصی کاموں کو بیکار بنا دینا چاہتی ہے،،[1]

مولانا عبید اللہ سندھی کے استعجاب اور احتجاج پر مشتمل بیان آپ نے پڑھ لیا۔ اب مولانا عبد الحئی رح کی درج ذیل تحریر ملاحظہ کیجئے کہ طریقت اور سیاست کی جدائی پائی جاتی تھی، یعنی شیخ کی ارادت میں برطانوی سامراج کی وفاداری شریک ہو سکتی تھی اس اشتراک سے استحقاق جانشینی پیدا کرنا مقصود تھا۔ مولانا عبد الحئی فرماتے ہیں:

ثم سافر الی الحجاز وحج وزار واخذ الطریقة عن الشیخ الکبیر امداد اللہ التھانوی المھاجر الی مکة المبارکة وصحبة زمنا ثم رجع الی الھند۔

"(مولوی اشرف علی تھانوی رح نے) پھر حجاز کا سفر کیا۔ حج اور زیارت کے

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ ص ۲۶۶۔

بعد بشیخ کبیر امداد اللہ مہاجر تھانوی سے طریقہ (تصوف) اخذ کیا۔ ایک زمانے تک شیخ کی صحبت میں رہے پھر ہندوستان واپس آئے۔[۱]

نوٹ:۔ مولانا عبید اللہ سندھی کی شہادت کو سامنے رکھتے ہوئے ایک عام قاری کو اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مولانا شیخ محمد تھانوی نے تحریک آزادی اور اس کے فتوے کی مخالفت کی، مولانا اشرف علی تھانوی شیخ صاحب کے نقشِ قدم پر برابر چلا کئے۔ لیکن ان حضرات کے خلاف کوئی تحریک نہ چلائی گئی۔ کوئی اقدامات نہیں کئے گئے نہ کوئی کمیٹی ہی بنائی گئی۔ اس سے بڑھ کر تعجب خیز امر یہ ہے کہ اپنے ملک میں کمیٹی کی تشکیل میں مشکلات در پیش تھیں تو بیرون ملک میں ہی ایسے اقدامات کرنا چاہیے تھے لیکن کمیٹی بنائی گئی۔ اراکین کو جمع کیا گیا، ترکانِ عثمانی کی خارجہ پالیسی کو ملوث کیا گیا تو صرف شیخ الکل رح (میاں سید محمد نذیر حسین) کے خلاف! اس وجہ میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مقصد برطانوی حکومت کی مذمت تھا، لیکن اس حکمت عملی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے تقلیدِ شخصی اور قرآن حدیث پہ بالواسطہ عمل کرنے کے عقیدہ کو بطورِ ہتھیار استعمال کیا گیا۔

۳۔ مولوی عبد القادر بدایونی

مذکورہ کمیٹی کے تیسرے اہم رکن مولوی عبد القادر بیان کئے گئے ہیں۔ موصوف کے والد فضل رسول بدایونی صاحب تھے۔ بدایونی صاحب کے بارے میں مولانا ابو الکلام آزاد فرماتے ہیں:

"مولوی فضل رسول بدایونی مرحوم سوط الرحمٰن[۲] میں لکھتے ہیں کہ داؤد ظاہری

---

[۱] :۔ نزہۃ الخواطر ج ۸۔ ص ۵۰۔

[۲] :۔ پورا نام یہ ہے

اور یہ حوالے

مطبع سول ملٹری آرفنج (لدھیانہ) ص ۲۲-۲۳ میں مل سکتے ہیں۔

شیطان کا متبع تھا۔ اس کے بعد ابن حزم ظاہری پیدا ہوا جو خبیث تھا۔ پھر ابن تیمیہ نے ایک نیا دین نکالا۔ بعض اشرار بد اطوار، جہلاء و فسقاء در حلقۂ انقیادش آمدہ در بلادِ اسلامیہ طرفہ ہنگامہ برپا نمود۔

مبینہ کردار وعلم کے مالک مولوی فضل رسول بدایونی کے سایہ پدری میں پروان چڑھنے والے صاحبزادہ عبدالقادر کے بارے میں مولانا عبدالحیٔ تحریر فرماتے ہیں:

فقیہا اصولیا جدلیا ذا عنایۃ تامۃ بالبحث والمناظرۃ وکان علیٰ قدم والدہ فی اثبات نذور الاولیاء واعراس المشائخ والستور علی القبور وایقاد السرج علیہا واثبات عمل المولد بالھیئۃ المروجۃ والقیام عند ذکر الولادۃ والمبادرۃ الی تکفیر المسلمین وتبدیعھم وتفسیقھم اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک۔ (نزہۃ الخواطر، ص ۲۷۶۔ ج ۸)

یعنی "مولوی عبدالقادر بدایونی" فقیہ۔ اصولی۔ مناظرہ باز اور جھگڑالو تھے۔ آپ کو مناظرہ میں کمال حاصل تھا۔ اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ اولیاء کی نذر و نیاز کا اثبات، قبروں پر عرس، قبروں پر چادر چڑھانا اور چراغ جلانا، مولود مروجہ کی ترویج، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکر کے وقت قیام اور مسلمانوں کی تکفیر و تفسیق میں اور ان کو بدعتی کہنے میں بڑے جلد باز تھے۔

۴۔ مولانا خیرالدین

کمیٹی کے چوتھے رکن مولانا خیرالدین تھے، یہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے والد بزرگوار تھے۔ مولانا خیرالدین صاحب کے تعلقات شریف مکہ ہی سے نہیں تھے بلکہ وہ سابقہ تین ارکان سے زیادہ اثر رکھنے تھے۔ اس کے علاوہ موصوف اہلِ حدیث کے کٹر مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ

لہ: حاشیہ تذکرہ ص ۲۲۶ طبع اول کلکتہ۔ ٹہ: نزہۃ الخواطر، ص ۲۷۶۔ ج ۸۔

ایک لمحہ کے لئے بھی اہلِ حدیث کے ساتھ رواداری کے حق میں نہیں تھے۔

اس لئے مکہ مکرمہ میں شیخ الکلؒ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں۔

مکے میں مولانا نذیر حسینؒ کی گرفتاری

زمانۂ قیامِ مکہ میں ایک اور قابلِ ذکر واقعہ پیش آیا۔ یعنی مولانا سیّد حسین مرحوم، ہندوستان میں درسِ حدیث کے آخری مرکز[۵] تھے۔ انھوں نے جب سفرِ حج کا ارادہ کیا تو ان کو خیال پیدا ہوا کہ مخالفین مکہ میں ایذا رسانی کی کوشش کریں گے اس لئے کہ علمائے وہابیہ کے ساتھ وہاں پہلے جو سلوک ہو چکا تھا اُس سے باخبر تھے۔ اور اب حجاز کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ بلا تقیہ کوئی وہابی محفوظ طور پہ نہ رہ سکتا تھا۔ شیعہ و خوارج تو علانیہ جاتے اور حج کرتے کوئی روک پیش نہ آتی مگر وہابیہ کے لئے یہ موقعہ نہ تھا۔

مولانا نذیر حسینؒ کے چونکہ غدر میں مسز لیسن کی جان بچائی تھی اور اس لئے حکام سے اُن کے تعلقات اچھے تھے۔ انھوں نے ڈپٹی کمشنر دہلی کے ذریعہ سے فارن آفس میں سلسلہ جنبانی کی اور جدّے میں برٹش قونصل کے نام ایک سفارشی چھٹی بھجوائی، جس میں لکھا تھا کہ اُن کی حفاظت کی جائے۔ اور جو ضرورت انھیں پیش آئے، حتی الامکان اُس میں پوری طرح مدد دی جائے۔ اس طرح یہ حجاز روانہ ہو گئے۔

ہندوستان میں چونکہ اُس وقت تقلید و عدم تقلید کا فتنہ زور پہ تھا اور مولانا نذیر حسین، غیر مقلدین کے سب سے بڑے شیخ سمجھے جاتے تھے، اس لئے فوراً مکے میں اطلاع دے دی گئی کہ وہابیہ کا سب سے بڑا سرغنہ آ رہا ہے اگر وہاں کوئی۔۔

---

[۵] ہندوستان ہی نہیں تقریباً تمام دنیائے اسلام کے شیخ حدیث تھے۔ دہلی میں ۶۵ برس درس دیا۔

کارروائی نہ کی گئی تو اس بات کو وہابی، حجاز میں اپنی فتح سے تعبیر کریں گے۔ اور عوام کو اس سے بہت فتنہ ہوگا۔ ساتھ ہی مولانا نذیر حسین کی کتابوں اور فتاوی کے بعض مطالب کا ترجمہ کر کے پیش کیا گیا۔ ان میں بعض چیزیں تو واقعی اُن کی کتاب "معیار الحق" سے لی گئی تھیں اور اکثر ایسے الزامات تھے جو ایسے موقعوں پر فریقین ایک دوسرے سے فریقانہ جذبات کے تحت منسوب کر دیتے ہیں۔

اس زمانے میں ہندوستان میں ایک فتویٰ "جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد" کے نام سے مرتب ہوا تھا۔ اس میں چند عقائد تو واقعی اس جماعت کے تھے اور بڑا حصّہ منسوبات کا تھا یا خود الزامی طور پر اُن کے عقائد کا استخراج کیا گیا تھا، مثلاً لحمِ خنزیر کی حلّت، بولِ طفل صغیر کی طہارت، مادۂ انسانی کا پاک اور قابلِ اکل ہونا، خالہ سے مناکحت کا جواز اور جوازِ کذبِ باری تعالیٰ وغیرہ وغیرہ۔

والد مرحوم نے مولانا نذیر حسینؒ کے عقائد کی فہرست زیادہ تر اسی جامع الشواہد سے اخذ کی تھی۔ البتہ معیار الحق سے تقلیدِ شخصی کے عدمِ وجوب اور التزام و تعیینِ تقلیدِ شخصی کے مفاسد اور امام صاحب کی تابعیت سے تاریخی طور پر انکار، اور تحدید دہ دردہ کی عدمِ صحت اور تحدیدِ ظلِّ مثلین کی عدمِ صحت اور بعض دیگر مسائل مختلف فیہ میں مذہب محدثین کی توثیق وغیرہ کرکے بہت رنگ آمیزی کے ساتھ ترجمہ کیا گیا تھا اور یہ استدلال کیا گیا تھا کہ ان سے امام صاحب کی تحقیر و توہین مقصود ہے۔

بہرحال نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا نذیر حسین اور مولانا تلطف حسین عظیم آبادی مع ایک اور رفیق کے گرفتار کر لئے گئے اور ایک نہایت ہی تنگ و تاریک محبس میں قید کر دیے گئے۔ چند دن بعد اُن کو شریف نے بُلایا اور جب انھوں نے اپنی گرفتاری کی وجہ پوچھی تو کہا، تمہیں وہابی عقائد رکھنے کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے۔ مکہ معظمہ اسلام کا اصلی مرکز ہے۔ اس لیے ہمارے لئے ضروری ہے کہ فاسد عقائد رکھنے والوں

کا احتساب کریں تاکہ وہ مسلمانوں کو گمراہ نہ کر سکیں۔!

دوسرے دن شریف مکہ کے یہاں ایک مجلس منعقد ہوئی اور اُس میں والد صاحب سے کہا گیا کہ ان کے عقائد کی فہرست پیش کریں۔ فہرست میں سب سے پہلا الزام امام صاحب کی توہین کا تھا اور باقی مذکورہ الزامات تھے۔ مولانا نذیر حسین مرحوم کی طرف سے مولوی تلطف حسین تقریر کرتے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے اس حالت پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں، جہاں کفّار کی سلطنت ہے لیکن وہاں ہمارے عقائد کی وجہ سے ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچایا جاتا۔ یہاں اسلامی حکومت ہے اور دارالامن ہے۔ اور بلا کسی وجہ کے ہم کو گرفتار کر کے مبتلائے محن کیا جاتا ہے۔ پھر کہا کہ ہم پر جو یہ الزام ہے کہ ہم وہابی ہیں۔ ہم قرآن و حدیث مانتے ہیں اور اُسی پر عمل کرتے ہیں۔

اس پر والد مرحوم نے کہا کہ اجماع و قیاس کو بھی مانتے ہو؟ مولانا نذیر حسینؒ نے کہا کہ ہاں ہم اجماع و قیاس کو اُسی طرح مانتے ہیں جس طرح آئمہ مجتہدین مانتے تھے۔ اس پر گفتگو شروع ہوئی اور بہت قیل و قال ہوئی۔ اس کے بعد کہا گیا کہ آئمہ اربعہ کی نسبت تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ اُنھوں نے کہا۔ ہم اُنھیں اپنا سرتاج و پیشوا اور برسرِ حق سمجھتے ہیں۔ اور ان میں امام ابوحنیفہ کو سب سے زیادہ قابلِ احترام سمجھتے ہیں۔ اس پر معیارِ حق پیش کی گئی۔ اُنھوں نے کہا کہ اگر اس طرح کے مباحث، امام صاحب کی توہین ہے تو وہ تمام کتابیں بھی توہین پر ہوں گی، جن میں مسائلِ مختلف فیہ پر بحث کی گئی ہے اور خود سلف نے لکھی ہیں۔ پھر ایک ایک کر کے تمام الزامات سُنائے گئے۔ اُنھوں نے بڑے جوش سے ان سے اپنی براءت ظاہر کی۔ اس پر ثبوت میں جامع الشواہد پیش کی گئی۔ اُنھوں نے کہا، یہ مخالفین کی چیز ہے اور ہم اس کے ذمّہ دار نہیں۔ اس پر کسی پشاوری کا ایک رسالہ پیش کیا گیا۔ جو مولانا نذیر حسین

کا شاگرد تھا، مگر انھوں نے اُس سے بھی اپنی بے تعلّقی ظاہر کی۔

معلُوم ہوتا ہے مولانا نذیر حسین مرحوم، مجمل و مختصر بیان دے کر معاملے کو ختم کرنا چاہتے تھے کیونکہ سمجھتے تھے۔ تفصیلات میں پڑنا یا مباحثہ کرنا طاقت کے مقابلے میں بے کار ہے۔ آخر میں انھوں نے اس بیان پر اکتفا کی کہ ہمارا عقیدہ اہلِ سُنّت والجماعت کا ہے۔ آئمہ اربعہ کو ہم مانتے ہیں۔ چاروں کو ہم حق پر سمجھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کو اپنا پیشوا جانتے ہیں۔ اُن کے بُغض کو خلافِ شیوۂ ایمان سمجھتے ہیں اور کتب فقہ پر عمل کرنا، جب تک قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو۔ خود ہمارا شیوہ ہے۔

مکائدِ وہابیہ یہ بیان علمائے حجاز کے لئے ایک حد تک تشفّی بخش ہو جاتا لیکن جیسا کہ والد مرحوم کہا کرتے تھے، وہ ان باتوں کو وہابیوں کے "مکائد" تصور کرتے تھے کہتے تھے کہ میں نے یہ مکائد نہ چلنے دیے اور کہا تفصیلًا بتاؤ کہ آئمہ اربعہ میں کس امام کی تقلید کرتے ہو؟ اور فلاں فلاں مسائل میں تمہارا کیا اعتقاد ہے؟ اس پر انھوں نے تیسری مجلس میں ایک تحریر پیش کی جس میں لکھا تھا کہ آئمہ اربعہ کی تقلید کو فرائض و واجبات شرعیہ کی طرح فرض نہیں سمجھتا، لیکن عوام کے لئے اور اُن کے لئے جو فقہ و حدیث میں نظر نہیں رکھتے ہیں، جب تک کہ قرآن و حدیث کے خلاف کوئی صریح بات پیش نہ آئے۔ کتبِ فقہ متداولہ پر عمل کرنے کو مستحسن سمجھتا ہوں اس کے علاوہ فلاں فلاں عقائد اور الزامات جو میری طرف منسوب کئے گئے ہیں، میں اُن سے بَری ہوں اور حلیفہ کہتا ہوں کہ میرے عقائد وہ نہیں ہیں۔

اس اثناء میں اُن کی گرفتاری کی خبر، جدّے میں برٹش قونصل کو پہنچ گئی اور وہاں سے برابر زور دیا جا رہا تھا۔ بالآخر نو دن کے حبس کے بعد اُن سے اس آخری تحریر پر دستخط کرائے گئے اور انھیں رہا کر دیا گیا۔

……

میاں صاحب کی پوزیشن

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مولانا نذیر حسین مرحوم نے اس تحریر میں اُن اصولوں کے خلاف کوئی بات نہیں کہی ہے جو اہلِ حدیث کے اصول سمجھے جاتے ہیں، نہ تقلیدِ شخصی کے وجوب کو مانا ہے۔ نہ کتبِ حدیث پر کتبِ فقہ کی ترجیح کو۔ صرف براءت و اظہار ہے، تاہم یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اُن کے مخالفین نے مکّے سے اس بات کی خبریں بھیج دیں کہ انھوں نے وہابیت سے توبہ کر لی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خود والد مرحوم باوجود ان تمام تفصیلات کے بیان کرنے کے کہا کرتے تھے کہ مولٰینا نذیر حسینؒ نے توبہ کر لی، اور زور دیتے تھے کہ انھوں نے تقلیدِ شخصی کو مستحسن تسلیم کر لیا! حالانکہ یہ جماعت بھی عوام کے لئے ہمیشہ تقلید کو ضروری بلکہ فرض ٹھہراتی ہے بحث تو صرف التزام و تعیّن میں ہے نہ کہ نفسِ تقلید میں۔ لہ

ایک اور پہلو بھی اس واقعہ میں قابلِ ذکر یہ ہے کہ جس طرح اس طرف سے غلط بیانی کی گئی۔ اُسی طرح مولانا نذیر حسین مرحوم کے طرفداروں اور نادان معتقدوں نے یہ سمجھ کر یہ گرفتاری اُن کے لئے موجبِ توہین ہے، اس کے واقعہ ہونے ہی سے انکار کر دیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ خبریں محض غلط ہیں۔ حالانکہ مولانا نذیر حسین کا گرفتار ہونا، ایک ایسے مرکز میں جیسا مکّہ ہے، نہ صرف یہ کہ موجبِ توہین نہیں ہے بلکہ قدرتی ہے۔

ایک توبہ نامہ بھی مولانا نذیر حسین مرحوم کا بعض رسالوں میں میری نظر سے گزرا ہے اور وہ مباحثہ مرشد آباد میں پیش بھی کیا گیا تھا، لیکن اُن کے فرضی ہونے پر میں ایسی شہادتیں رکھتا ہوں، جن سے زیادہ قابلِ اعتبار شہادتیں اور نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ جو تحریر مولٰینا نذیر حسین نے دی تھی وہ بارہا والد مرحوم نے مجھے حرف بحرف سُنائی ہے، اور وہ وہی ہے جس کا

لہ: مولٰینا آزاد کی خود اپنے والد کے مقابلے میں حق گوئی ملاحظہ ہو۔

ابھی ذکر کر چکا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس بن فتنے سے بچنے کے لئے ایجابی طور پر جس وضاحت سے انھیں اپنے عقائد بیان کرنا چاہیے تھا، اُس سے انھوں نے گریز کی۔ لیکن منفی طور پر انھوں نے اپنے اصلی عقائد سے ہرگز انکار نہیں کیا۔ اور ان حالات کو دیکھتے ہوئے جو انھیں وہاں پیش آ رہے تھے۔ اُن کے اس تسامح کو کوئی بھی قابلِ الزام کمزوری نہیں قرار دے سکتا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر وہ حریف کے ساتھ بحث و جدال میں اُتر آئے تو نتیجہ نہایت ہولناک ہوتا۔" [لہ]

یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے شیخ الکلؒ نے ۱۰ ر اگست ۱۸۸۳ء کو کمشنر دہلی سے برطانوی سفیر مقیم جدہ کے لئے اپنے تحفظ کے واسطے خط لکھوایا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو معاندین شاید حبس دوام یا قتل کرانے میں کامیاب ہو جاتے۔

جس کا نتیجہ حجاز مقدس میں خونریزی کی شکل میں ظاہر ہوتا۔ کیونکہ مولوی تلطف حسین فرماتے ہیں:

> "کہ ہم لوگ جب اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے، تو شیوخ اہلِ مشرق (جن کا قافلہ شہر سے فاصلہ پر تھا اور اس میں چھ سو مسلح سوار تھے) آئے۔ میری ان سے سرِ راہ ملاقات ہوئی۔ شیوخ موصوف پوچھنے لگے۔ این الشیخ، شیخ کہاں ہیں۔ میں نے کہا مکان میں ہیں۔ ان شیوخ نے برہمی کے لہجہ میں کہا کہ ہم کو دکھا دو۔ ہم لوگ کچھ اور ہی بات سُن کر آئے ہیں۔ میں نے ساتھ لے جا کر دکھا دیا۔ اور ملاقات کرا دی۔ شیوخ ممدوح نے کہا کہ ابھی ایک موحش خبر سن کر ہم لوگ تحقیق کے لئے آئے تھے الحمد للہ کہ شیخ کو زندہ صحیح وسالم اپنی جگہ پر دیکھا ورنہ آج جو کچھ ہوتا

[لہ] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی طبع انڈیا ص ۱۰۲ تا ۱۰۸۔

ہو کر رہتا۔ [1]

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے "جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد" پر بھی اپنے مخصوص انداز سے تبصرہ کیا ہے۔ اس لئے ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔ [2]

تاریخی تحقیق

سرکاری خطابات

ہر حکومت اپنی رعایا کو بعض اوقات خطابات، تمغہ جات وغیرہ سے نوازتی ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت کی پالیسی مختلف ہوتی ہے۔ کبھی تو خطاب اس صلے میں دیا جاتا ہے کہ خطاب یافتہ شخص حکومت کا وفادار ہے اور ہر حال میں حکومت کی تائید کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ کبھی علمی و ادبی خدمات کی وجہ سے خطاب دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات حکومت ایسے افراد کو خطابات سے نوازتی ہے جن کا واسطہ کسی مثبت تحریک سے ہو۔ ایسے افراد کو خطابات سے نوازنے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ عوام اس تحریک سے بدظن ہو جائیں۔

حکومتِ برطانیہ نے جن افراد کو خطابات سے نوازا ان کو تین اقسام میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

اوّل وہ افراد جن کو حکومتِ برطانیہ نے اپنی وفاداری کی وجہ سے خطابات سے نوازا

---

[1] الحیات بعد الممات طبع انڈیا ص ۱۰۱-۱۰۲ [2] الاعتصام ۳۰ مارچ، ۶، ۱۳، اور ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۸۷ء

ان کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن اس مقام پر دو اشخاص کے نام پیش کئے جاتے ہیں

سر سید احمد خاںؒ

سر سید احمد خاں ان افراد میں سے ایک ہیں جنھوں نے ۱۸۵۷ء سے قبل اور بعد ہر حال میں برطانوی حکومت سے وفاداری کی بلکہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران بھی برطانوی حکومت کے وفادار رہے۔ لیکن قوم اور اہلِ وطن کی فلاح و بہبود کا ہمیشہ خیال رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد بالعموم اہلِ ہند اور خاص کر مسلم قوم جس طرح ظلم و زیادتی کے شکنجہ میں جکڑی جا چکی تھی ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے "ہمارے ہندوستانی مسلمان" نامی کتاب لکھ کر آگ پر تیل کا کام کیا۔ اس وقت سر سید احمد خاں نے "اسباب وبغاوتِ ہند" تصنیف کر کے عام ہندو مسلمانوں پر اور خاص کر وہابیوں پر وہ احسانِ عظیم کیا جس کو قیامت تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

اگرچہ مذکورہ کتاب میں بعض مقامات پر غلط بیانی سے کام لیا گیا اور بعض مقامات پر مصلحت سے، اس کے باوجود مجموعی طور پر تاریخ کے طالب علم کے لئے کتاب بہت مفید ہے۔

حافظ محمد احمد ولد مولانا قاسم نانوتوی

حافظ محمد احمد ولد قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی ہیں جن کو حکومت برطانیہ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔ جو مہتمم دارالعلوم دیوبند ہونے کی وجہ سے نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ نہ تو موصوف کی کوئی علمی خدمات ہیں اور نہ ہی کسی تحریک سے منسلک تھے۔ برطانوی حکومت کی وفاداری میں موصوف نے چند نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ وہ ذیل میں تحریر کی جاتی ہیں۔

۱۔ ان کی پہلی خدمت یہ تھی کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی انقلابی

تحریک کے اہم رکن مولانا عبید اللہ سندھی کو ایک مفروضہ عقیدہ کی بنا پر . . . دار العلوم سے نہ صرف نکلوایا بلکہ کفر کا فتویٰ بھی لگایا۔

۲۔ شیخ الہند اور عبید اللہ کی ہجرت کے بعد ان کی تحریک کو ختم کرنے کی پوری سعی کی اور ان حضرات کے خلاف محاذ قائم کیا۔

۳۔ ریشمی رومال کی تحریک کو ناکام بنانے کی پوری کوشش کی۔

۴۔ جب تحریک کا راز فاش ہوا تو حافظ محمد احمد کے وابستگان سرکاری گواہ بن گئے۔

۵۔ جب حضرت شیخ الہند کی رہائی کی کوشش شروع ہوئی تو ان کوششوں میں حصّہ لینے سے قطعی انکار کر دیا۔

میرا خیال ہے مولانا حسین احمد مدنی نے مولانا حافظ محمد احمد کو سرکاری خطاب کے سلسلے میں جن خدمات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہی ہیں[1]۔

"رولٹ کمیٹی رپورٹ پیرا نمبر ۱۶۴ میں درج ہے اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط کے واقعات کا انکشاف ہوا۔ اور حکومت کو اس سازش کا پتہ چلا یہ ایک منصوبہ تھا جو ہندوستان میں اس خیال سے تجویز کیا گیا تھا کہ ایک طرف شمال مغربی سرحدات پر گڑبڑ پیدا کرے اور دوسری طرف ہندوستانی مسلمانوں کی شورش سے اسے تقویت دے کر . . برطانوی راج ختم کر دیا جائے۔

اس منصوبہ کو مضبوط کرنے اور عمل میں لانے کے لئے مولوی عبید اللہ نامی ایک شخص نے اپنے تین ساتھیوں عبداللہ، فتح محمد اور محمد علی کے ساتھ اگست ۱۹۱۵ء میں شمال مغربی سرحد کو پار کیا۔ عبیدُ اللہ پہلے سکھ تھا بعد میں مسلمان ہوا۔ اور دیوبند ضلع سہارنپور کے مذہبی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے مولوی بنا۔ وہاں اس نے اپنے باغیانہ اور برطانیہ

کے خلاف خیالات کا زہر چند مدرسین اور طلبہ میں بھی پھیلا دیا جن.. لوگوں پر اس نے اپنا اثر ڈالا ان میں سب سے بڑی شخصیت مولانا محمود حسن کی تھی جو مدتوں تک درسگاہ دیوبند کے مشہور و معروف.. فارغ التحصیل مولویوں کے ذریعہ ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف ایک عالمگیر اسلامی (پان اسلامک) تحریک چلائی۔ مگر مہتمم اور ارباب شوریٰ نے اس کو اور اس کے چند وابستگان کو نکال کر اس تجویز کو درمیان میں ہی ختم کر دیا۔

مولانا حسین احمد مدنی صاحب نے مزید وضاحت حاشیہ پر کی ہے:

"بہر حال اصلی سبب وہ امر ہے جس کی بنا پر مسٹن گورنر یو پی دیوبند اور دارالعلوم میں گیا تھا اور مہتمم صاحب کو شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔"

ہند و پاک کے مشہور مورخ جناب پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب نے جناب عبدالعلی خاں مرحوم سے انٹرویو لے کر پاکستان کے کثیر الاشاعت اخبار اخبار جنگ میں شائع کیا تھا وہ بھی ناظرین کے پیش خدمت کیا جاتا ہے[۵۹]

"جب گورنمنٹ نے باوجود کوششوں کے شیخ الہند صاحب کو مالٹا کی قید سے نہ چھوڑا تو ڈاکٹر انصاری کی بیگم صاحبہ نے شمس العلماء حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو جو ان کے پیر تھے ایک خط لکھا جس میں ان سے منت سماجت کی گئی تھی کہ اپنے اثرات کو کام بھیجا گیا جس کو میں نے حافظ صاحب کے ہاتھ میں دیا حافظ نے مجھ سے فرمایا:

"آپ ٹھہریئے ہم صلاح و مشورہ کر کے جواب دیں گے"۔

میں شیخ الہند صاحب کی بیگم صاحبہ کے پاس ٹھہرا۔ حافظ صاحب دن

ہیں تین چار مرتبہ مجھ سے فرماتے تھے کہ :

> "ٹھہرے رہیئے ہم صلاح و مشورہ کر رہے ہیں"۔ چوتھے دن صبح آٹھ بجے حافظ صاحب نے مجھ کو دارالعلوم کے مشورہ گاہ میں طلب کیا جہاں کہ نو دس علماءٔ جمع تھے حافظ صاحب نے مجھ سے فرمایا :
>
> مولوی شبیر احمد عثمانی اس خط کا جواب آپ کو بتائیں گے شمس العلماءٔ حافظ نے مجھ کو خط کا تحریری جواب نہیں دیا اور فرمایا کہ ہماری طرف سے بیگم انصاری صاحبہ سے یہ سب باتیں کہہ دیں۔ جن کو سن کر انھوں نے افسوس کیا یہ ہے ایماندار علماءٔ کرام کا حال۔ شیخ الہند صاحب کے خلاف گواہیاں دیں۔ اور ان میں سے کئی لوگوں نے جب شیخ الہند مالٹا سے رہائی پاکر دہلی تشریف لائے تو شیخ الہند کے پیر چومے"۔

جناب عبدالعلی خاں صاحب نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ :

> "حافظ صاحب اور ان کے نائب صدر حبیب الرحمٰن صاحب میسٹن گورنر یوپی کی بہت تعریفیں کرتے تھے وہ فرماتے تھے کہ میسٹن نے ایک مرتبہ علماء دیوبند کو نینی تال پہاڑ پہ بلایا جب ہم لوگ نینی تال پہنچے تو گورنر صاحب نے کوٹھی سے باہر آ کر ہمارا استقبال کیا۔ ہمارے لئے گرم پانی کروایا اور ہاتھ دھونے کے بعد میسٹن صاحب نے ہم کو چائے پلائی اور ہم لوگوں کی بہت خاطر مدارات کی"۔
>
> "شیخ الہند صاحب نے جس شخص سے ملنا تک گوارا نہیں کیا یہ علماءٔ کرام اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے"۔

مولانا محمد میاں صاحب نے ایک نیا انکشاف کیا ہے۔ ۴۵

> "یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی یہ بحرانی دَور ختم ہوا مہتمم صاحبان کا رویہ بدل گیا۔ شمس العلماء مولانا حافظ احمد صاحب نے اپنا خطاب واپس کر دیا۔"

مولانا محمد میاں صاحب صرف عالم ہی نہیں بلکہ مورخ بھی ہیں اس لئے موصوف کو اپنے بیان کی تائید میں حافظ محمد احمد صاحب کے بیان کا حوالہ دینا ضروری تھا۔ یا پھر برطانوی ریکارڈ سے یہ ثابت کرنا تھا کہ حافظ محمد احمد صاحب نے واقعی خطاب واپس کر دیا۔ بغیر ثبوت کے محمد میاں کے بیان کو ذی شعور اور اہلِ علم حضرات قطعاً قبول نہیں کریں گے۔

قسم دوم

اس گروہ میں وہ افراد شامل ہیں جن کو برطانوی حکومت خطابات سے ضرور نوازا لیکن حکومت کی وفاداری سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ صرف علمی وادبی خدمات کی وجہ سے ان کو اعزازات عطا کئے گئے حقیقت میں ان افراد نے حکومت کے اعزازات کو تسلیم کر کے ان اعزازات کا مقام ارفع و اعلیٰ کر دیا۔

علامہ شبلی نعمانی

اہلِ علم میں علامہ شبلی نعمانی صاحب کو جو مقام حاصل ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ موصوف نے ادب، تاریخ اور مذہب کی جو خدمات کی ہیں ان کی وجہ سے اپنے ہمعصروں میں سب سے سبقت لے گئے جب تک آپ کی تصانیف موجود ہیں۔ اہل علم حضرات ان سے استفادہ کرتے رہیں گے۔ آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور سیرت النبی ہے اگرچہ اس کی تکمیل آپ کے ارشد تلمیذ مولانا سید سلیمان ندوی نے کی، المامون، الغزالی، الفاروق، شعر العجم اور الکلام بھی اہلِ علم کے نزدیک مقبول ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی کا سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی سر سید احمد خاں کی پالیسیوں کے حامی تھے ۔ اسی وجہ سے آپ نے علی گڑھ یونیورسٹی کو خیرباد کہہ کر وہاں سے چلے گئے اور ندوہ میں جاکر علمی خدمات انجام دیتے رہے ۔

برطانوی حکومت نے آپ کی علمی خدمات سے متاثر ہو کر شمس العلماء کا خطاب عطا کیا جس کو قبول کر کے علامہ شبلی نعمانی صاحب نے خطاب کو عزّت بخشی ۔

قسم سوم اس جماعت میں وہ افراد شامل ہیں جن کی علمی و ادبی، ثقافتی اور رفاہ عامہ کی خدمات اظہر من الشمس ہونے کے علاوہ کسی نہ کسی تحریک سے منسلک ضرور تھے ۔ جیسا کہ مثالوں سے ثابت ہو گا ۔

شہزادہ غلام محمدؒ مشہور و معروف مستشرق گارساں دتاسی شہزادہ غلام محمد کے متعلق تحریر کرتا ہے [۵۵]

> "بہت سے ایسے ممتاز مسلمانوں کے حالات ہم تک پہنچے ہیں جن کی نیکی اور فیاضی واقعی عیسائیوں کے شایان شان ہے انہیں میں سے صرف ایک ذکر کروں گا ۔ بہادر لیکن بدقسمت ٹیپو سلطان کے بارہ بیٹوں میں جو ایک آخری شخص ہیں وہ اس قسم کے لوگوں میں ہیں ان کا نام شہزادہ غلام محمدؒ ہے ۔ اس وقت ان کی عمر اب ۸۰ کے لگ بھگ ہے گذشتہ فروری کی، ۱۲ تاریخ کو لارڈ میو (Mayo) والسرائے ہند نے انہیں (کے ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی ۔) کا خطاب عطا کیا ۔ شہزادہ غلام محمد نے شجاعت کے بجائے فیاضی اور سعادت سے نام پیدا کیا ۔ دراصل دانشمند لوگوں کے نزدیک یہ زیادہ قابلِ ترجیح ہے ۔"

برطانوی حکومت نے شہزادہ غلام محمدؒ مرحوم کو صرف اس لئے خطاب دیا کہ

ہندو پاک کے عوام ٹیپو سلطان مرحوم کے خاندان سے بدظن ہو جائیں تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس خاندان کا احترام ختم ہو جائے۔

شیخ الکل میاں صاحب

مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے متعلق مولانا عبید اللہ سندھی تحریر کرتے ہیں[56]۔

> "مولانا نذیر حسین، مولانا ولایت علی کے مدرسہ صادق پور (پٹنہ) کے ابتدائی طالب علم ہیں، بہار سے جب دہلی پہنچے تو مولانا محمد اسحٰق اور ان کے اصحاب کی صحبت میں بیٹھے اور علمی تکمیل کی۔ غزوۂ دہلی ۱۸۵۷ء تک مولانا محمد اسحاق کے مسلک کے پابند رہے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی طرف میلان ظاہر کرتے رہے مگر فتاویٰ عالمگیری کا مشغلہ ہدایہ کی تدریس، وحدت الوجود کا فلسفہ ان کی پرانی ذہنیت کا عنوان آخر تک قائم رہا۔ اگر عوارض سے قطع نظر کر لی جائے تو وہ مولانا اسمٰعیل شہید کی اس مذکورہ جماعت کے احیا کے سوا اور کوئی مقصد نہیں رکھتے تھے۔"

مولانا اسمٰعیل شہید کی جماعت کے دو اہم مقاصد تھے۔

۱۔ کتاب و سنت کا احیا، جس کو تقلید شخصی کی وجہ سے ترک کر دیا گیا تھا۔

۲۔ تحریک جہاد۔

جہاں تک کتاب و سنت کے احیا کا تعلق ہے اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ آج ہندو پاک میں قال اللہ و قال الرسول کی جو صدا بلند ہو رہی ہے وہ آپ ہی کی مرہون منت ہے۔

تحریک جہاد میں میاں صاحب اور ان کے ارشد تلامذہ نے کماحقہٗ حصہ لیا لیکن پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب نے غلط تاثر دینے کے لئے لکھا ہے[57]۔

> ” ۱۸۶۵ء ۔ وہابیوں پر مہم ابتلا کے نتیجہ میں مقدمے چل رہے تھے تو میاں نذیر حسین کو بھی بحیثیت سرگروہ وہابیاں احتیاطاً راولپنڈی جیل میں نظر بند رکھا گیا میاں نذیر حسین کے یہاں سے مختلف حضرات مولوی محمد جعفر تھانیسری (تین خط) مبارک علی ساکن پٹنہ (دو خط) عطاء اللہ (میرٹھ) محمد عثمان (کانپور) امین الدین (کلکتہ) ابوسعید محمد حسین بٹالوی (امرتسر) محمد سوداگر (الموڑہ) کے خطوط برآمد ہوئے۔ خود میاں صاحب کے خطوط کی نقول ملیں جو مختلف حضرات کو لکھے گئے تھے۔ بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران کے پانچ فرمان نکلے اس تمام مواد کی نہایت غور سے تحقیق کی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میاں صاحب کا جہاد کی تحریک سے کوئی واسطہ نہ تھا۔“

بات یہ نہیں بلکہ شیخ الکل میاں نذیر حسین مرحوم کی رہائی کے اسباب دوسرے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:۔ [۵۸]

> ” یہ نذیر حسین بھی بنگالی ہے اور اب معلوم ہوا ہے کہ وہابیوں کا اصل سرغنہ بھی ہے اور یہ کہ امید علی اور امین الدین اس کے ماتحت تھے میں نے اس کے کاغذات پڑھے ہیں چونکہ وہ دہلی میں با اثر ہے اس لئے اس کے خلاف گواہی حاصل کرنا مشکل ہے۔“

خط کشیدہ الفاظ پر ایک مرتبہ دوبارہ نظر ڈالیں اور خود فیصلہ کریں کہ شیخ الکل میاں صاحب کی رہائی کے کیا اسباب تھے۔ میاں صاحب کی صلاحیتوں کی داد دینا چاہیے کہ تحریک کو اس طرح چلا رہے تھے کہ برطانوی سامراج کی سی۔ آئی۔ ڈی بھی آپ کے خلاف شہادت مہیا کرنے میں ناکام رہی۔

ڈاکٹر قیام الدین احمد صاحب تحریر کرتے ہیں۔ [۵۹]

> ”کلکتہ پولس کی رپورٹوں سے ۱۸۸۰-۸۱ء میں ابراہیم کی جدوجہد کا حال معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۰ء میں ڈھاکہ کے ایک شخص بدیع الزمان نے ممتاز وہابیوں کا ایک جلسہ کرنے کی کوشش کی تھی جس میں نذیر حسین دہلوی بھی شامل کئے گئے تھے۔ چونکہ وہ پولیس کے زیرِ نگرانی تھے نذیر حسین نے دہلی میں جلسہ کرنے سے اختلاف کیا۔“

شیخ الکلؒ میاں نذیر حسین کا تحریکِ جہاد یا وہابی تحریک سے کوئی تعلق نہ تھا تو پولس آپ کی کیوں نگرانی کرتی تھی؟۔

دوسرے مقام پر ڈاکٹر قیام الدین احمد صاحب تحریر کرتے ہیں [1]،

> ”اس کے بعد کی ایک پولس رپورٹ میں کمشنر پٹنہ کو اطلاع دی گئی کہ ممتاز وہابیوں کا ایک جلسہ سراج گنج میں منعقد ہوا۔ جہاں نذیر حسین بھی اپنی بھانجی کی شادی کی شرکت کے بہانے سے گئے ہوئے تھے۔ اس تقریب بھی وہابیوں کے اجتماع کے لئے ایک آسان حیلہ مہیا کر دیا سربر آوردہ حاضرین میں نذیر حسین، محمد حسین لاہوری اور ابراہیم آروی تھے۔ جلسہ کے بانی و مہتمم ابراہیم تھے اور مقصد یہ تھا کہ ان کا تعاون حاصل کیا جائے اور اس ملک کے دارالحرب.. ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ چونکہ سرحد پر وہابی ریاست کا ہندوستان سے رابطہ اور اعانت نسبتاً بہت کمزور پڑ گئی ہے ہندوستان سے مزید رضاکاروں اور امداد کی ترسیل کی کوششیں کرنا چاہئیں۔ خفیہ اجلاس کی خبر حکام کو ملی اور مجسٹریٹ مولویوں کو اچانک جا لینے کے لئے جھپٹے لیکن اس جگہ نہ کوئی قابل مواخذہ چیز دستیاب ہوئی اور نہ کوئی گرفتار کیا جا سکا۔“

ایسے نازک دور میں میاں صاحب اور ان کے تلامذہ ہندوستان کو دارالحرب ہونے کے اعلان کی کوششوں میں مشغول ہیں جبکہ بڑے بڑے علماً کرام جو سید احمد بریلوی کے پیروکار ہونے کے مُدعی ہیں۔ انگریزی حکومت کے خلاف کچھ کہتے یا لکھتے ہوئے خوف زدہ تھے جس کی مثال پیش کی جاتی ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب سے سوال کیا گیا۔ ہند دارالحرب ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں تحریر کرتے ہیں [1]

> ”ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماً کا ہے بظاہر تحقیق حال بندہ کی خوب نہیں ہوئی۔ حسب تحقیق اپنی کے سبب نے فرمایا، اور اصل مسئلہ میں کسی کو خلاف نہیں اور بندہ کو خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم“

میاں صاحب اور ان کے تلامذہ کی کوششوں سے برطانوی سامراج بھی واقف تھا اس لئے اس نے اس تحریک کو عام طور سے اور میاں صاحب کی ذات کو خاص طور سے نقصان پہنچانے کی خاطر ۲۲ جون ۱۸۹۷ء کو میاں صاحب کو شمس العلماً کا خطاب دیا۔ شیخ الکلؒ اور وہابی تحریک کو اس سے کوئی نقصان تو نہ پہنچا لیکن یہ اثر ضرور ہوا کہ وہابی تحریک کے سرگرم رکن مولانا جعفر تھانیسریؒ مرحوم سوئے ظن کی معصیت کا شکار ہو گئے۔ جناب پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب نے اس سوئے ظن کی معصیت کو اپنی تحقیق کا محور قرار دے لیا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلم کو سوئے ظن کی معصیت سے محفوظ رکھے۔

---

[1] نقش حیات جلد دوم صفحہ ۲۴۰ - ۲۳۸ - طبع دیوبند۔ [2] نقش حیات جلد دوم صفحہ ۲۴۰ طبع دیوبند۔ [3] روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۶ جون ۱۹۶۴ء [4] تحریک شیخ الہند صفحہ ۱۶۳ طبع لاہور۔ ” حاشیات صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہوں۔ :

وہابی لیڈر الشیخ سید محمد نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلوی کے حالات مطالعہ کرنے کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بعض ارشد تلامذہ کا بھی تذکرہ کیا جائے۔

محمد حسین لاہوری

آپ کا شمار شیخ الکل رح کے خاص تلامذہ میں ہوتا ہے آپ پر بھی انگریزوں کی وفاداری کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جس کی بنیاد "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" نامی کتاب۔

مولانا مسعود عالم ندوی سے لے کر آج تک ہر شخص لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ "مذکورہ کتاب" منسوخ جہاد پر لکھی گئی۔ اس لئے ہم موصوف کے حالات تفصیل سے ضبط تحریر میں قلمبند کریں گے۔

" سابقہ حاشیات " [۵] مقالات گارساں دتاسی جلد اول صفحہ ۴، ۳۰۷۔ [۶] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۱۴۳-۱۴۲۔ طبع لاہور۔ [۷] تواریخ عجیب المعروف کالا پانی صفحہ ۲۶۲ طبع سلمان اکیڈیمی کراچی۔ [۸] بنگال گورنمنٹ ریکارڈس صفحہ ۶۰۔ [۹] ہندوستان میں وہابی تحریک صفحہ ۲۳۴۔ [۱۰] ہندوستان میں وہابی تحریک صفحہ ۲۳۵ - ۲۳۴۔

[۱۱] ۔ فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۴۳۰، مطبوعہ قرآن محل کراچی۔

سیر و سوانح

مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالویؒ

پیدائش اور نام محمد حسین بن عبدالرحیم عرف رحیم بخش قانون گو شیخ کنیت ابو سعید۔ تاریخ پیدائش ۱۷؍محرم ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۸۴۱ء مقام بٹالہ ضلع گورداس پور (مشرقی پنجاب)

تعلیم ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کرنے کے بعد آپ نے علی گڑھ، لکھنؤ اور دہلی کا سفر کیا۔ دہلی میں مولانا مفتی صدر الدین آرزدہ (متوفی ۱۲۸۵ھ) مولانا گلشن علی جونپوری اور مولانا نور الحسن کاندھلوی وغیرہ سے علومِ معقول و منقول فقہ اور اصولِ فقہ وغیرہ کی تکمیل کر کے ۱۲۸۱ھ میں سندِ فراغت حاصل کر لی۔

تحصیلِ حدیث اس کے بعد شیخ الکلؒ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلوی کی خدمت میں صحاح ستہ، موطا امام مالکؒ اور مشکوٰۃ پڑھی۔ ۱۲۸۲ھ میں شیخ الکلؒ نے جب سند عنایت کی تو اس میں خاص کر یہ الفاظ تحریر فرمائے: "ان له زيادة صحبة معي ومزيد اختصاص بي على غيره من الطلبة"

وطن واپسی تحصیلِ علم کے بعد وطن واپس آکر شیخ الکلؒ کے طریقے کے مطابق فجر کی نماز کے بعد قرآن مجید کا درس شروع کیا جس کی وجہ سے دُور دُور تک آپ کی شہرت ہو گئی۔

تدریس ایک عرصے کے بعد لاہور کی مسجد چینیانوالی میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ جہاں سے تشنگانِ علم خوب سیراب ہو جاتے۔

اشاعۃ السُّنَّۃ کا اِجراء

سنہ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں ماہنامہ اشاعۃ السّنۃ النبویّۃ جاری کیا جس کا مقصد اسلام اور اہلحدیث مسلک کی اشاعت تھا۔ موصوف کی تحریریں تبحرِ علمی اور تحقیقاتِ بدلیہ کی آئینہ دار ہوتی تھیں۔ مشکل بحث کو آسان الفاظ میں لکھنے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔

اشاعۃ السنۃ کے ذریعے ایک طرف آپ نے نیچریت (سر سید کے باطل نظریات اور قادنیت و عیسائیت کا رّد کیا اور دوسری طرف مقلدّین احناف سے بھی خوب ٹکّر لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ علمائے احناف اہلحدیث پر بے جا تنقید کرتے تھے۔ مثال کے طور پر مولانا حبیبُ الرحمٰن لدھیانوی (مرحوم) کے دادا مولوی محمد بن عبد القادر لدھیانوی نے ۶۵-۱۸۶۴ء ایک رسالہ لکھا۔ جس کا نام "انتظام المساجد باخراج اہلِ الفتن والمفاسد" ہے جس میں موصوف نے نہ صرف اہلحدیث کے مسجدوں سے اخراج پر زور دیا بلکہ ان کو قتل تک کرنے کا فتویٰ صادر فرمایا۔

آج قتل کا فتویٰ تو نہیں دیا جاتا لیکن اب احناف کے مدارس میں اہلِ حدیث طالب علم کو حصولِ علم کی اجازت نہیں ملتی۔ جیساکہ سنہ ۱۹۵۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے کئی اہلِ حدیث طلباء کو مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) نے نکال دیا تھا۔

چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالویؒ تحریر کرتے ہیں:

"متشددین اہلِ تقلید کے خطاب و بحث کا مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ عاملین بالحدیث پر بے جا تشدد کرنا چھوڑ دیں۔ جن مسائل میں یہ ان کے برخلاف عمل کرتے ہیں۔ ان مسائل کی قوت دلائل ملاحظہ فرماکر ان کے عمل و ترجیح میں ان کو معذور سمجھ کر معافی دیں اور اس عمل کے سبب ان کو دینِ اسلام سے خارج نہ سمجھیں۔"[۵۱]

---

[۵۱] ضمیمہ اشاعۃ السنّہ ج ۱ نمبر ۱ ص ۴۔

اس بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ اختلافی مسائل نکھر کر عوام کے سامنے آگئے اور اہلِ تقلید کی داماندگیوں کا بھی علم ہوا حتیٰ کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کو تقلید کے اثبات میں قرآن کی آیت فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی والرسول واولی الامر منکم کا اضافہ کرنا پڑا دیکھئے کتاب ایضاح الادلہ طبع مرادآباد یوپی ہند۔ ص ۱۰۳) خیال رہے ایضاح الادلہ جواب الجواب ۔ مولانا بٹالوی مرحوم نے علمائے سے دس سوال کئے تھے جس کے جواب میں مولینا محمود حسن دیوبندی (مرحوم) نے "ادلہ کاملہ" کتاب لکھی اس کا جواب اہلحدیث کی طرف سے "مصباح الادلہ لدفع الادلہ" کے نام سے شائع ہوا۔ جس کا جواب الجواب مولانا محمود حسن دیوبندی موصوف نے "ایضاح الادلہ" کے نام سے شائع کرایا۔

سرسید احمد خان کے افکار ونظریات کی تردید کی وجہ مولانا بٹالویؒ نے حسبِ ذیل الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

"مسلمانوں میں خصوصاً مسلمانانِ اضلاع لاہور، جالندھر، لدھیانہ وغیرہ وغیرہ میں کثرت سے پھیلتا جاتا ہے جو لوگ اردو کے سوائے کسی فن میں لیاقت نہیں رکھتے وہ بھی عقل ونیچر کو احکام شرعیہ پر حاکم مانتے تھے اور برملا کہتے ہیں کہ جس حکمِ شرعی یا خبرِ قرآن کو ہم خلافِ عقل پائیں گے۔ اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ ربناءً علیہ صدہا اخبار واحکامِ شرعیہ کو ہنسی میں اڑاتے ہیں۔ کوئی سود کو حلال بتاتا ہے۔ کوئی.. جواز استرقاق کو شریعت سے مٹاتا ہے۔ کوئی تعدد نکاح کو حرام و ہمسر زنا ٹھہراتا ہے کوئی ٹخنے سے اونچے ازار پہننے کو ہنسی میں اڑاتا ہے کسی کو وجودِ ملائکہ سے انکار کسی کو وجودِ جن وشیاطین

ہیں تکرار ہے“ [1]

اس کے باوجود اہلِ حدیث پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اہلِ حدیث سرسید احمد خاں کی پالیسیوں کے ہمنوا تھے ۔

تصانیف

مولانا ابوسعید محمد حسین مرحوم کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ جو ”اشاعۃ السنۃ“ کی فائلوں میں محفوظ ہیں ۔ تاہم مخالف ومعاندین اہلِ حدیث ان کی ایک تصنیف ”الاقتصاد فی مسائل الجہاد“ کی وجہ سے ان کو نشانۂ ہدف وملامت بناتے رہتے ہیں ۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس وقت کے حالات قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کئے جائیں ۔

مولانا بٹالویؒ نے نومبر ۱۸۷۶ء کے بعد مذکورہ کتاب لکھی جس کی وجہ سے اہلِ حدیث کو انگریز کا وفادار ثابت کرنے کے لئے مذکورہ کتاب کی تشہیر کی جاتی ہے لیکن اپنے اسلاف کے کارناموں پر مخالفین ومعاندین نے کبھی نظر نہیں ڈالی اس لئے اٹھارویں صدی عیسوی سے ہمیں غور کرنا چاہیے کہ برادرانِ وطن احناف کا کیا کردار رہا ہے ۔

۱۷۶۴ء میں الٰہ آباد میں ایک صلحنامہ انگریز اور بادشاہِ دہلی کے درمیان ہوا جس کی رُو سے کمپنی کو بادشاہ دہلی کی طرف سے بنگالہ کا دیوان یعنی مال گزاری وصول کرنے والا افسر مقرر کر دیا گیا ۔ اور اس کے عوض میں بادشاہ کا نذرانہ مقرر ہو گیا ۔

جنگ پلاسی کے بعد یہ وقت تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت یعنی احناف کرام ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقابلے میں سینہ سپر ہو جانے مگر ایسا

---

[1] اشاعۃ السنۃ ۱۲۹۶ھ ۔ ۱۸۷۹ء، ص ۶۶ ۔ ۶۷، ۳ ج ۲ ۔

نہیں ہوا بلکہ محض تماشائی بنے ہوئے خاموشی کے ساتھ انگریز کی ملازمت کرتے رہے۔ دوسری طرف واقعہ یہ ہے کہ جب شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی نے (۱۲۳۹ھ میں) ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا تو سید احمد شہیدؒ بریلوی کی قیادت میں تحریکِ مجاہدین کی بنیاد پڑی۔ تاآنکہ ۱۸۳۱ء میں سید احمد شہید بریلوی، مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی نے مع دوسرے رفقاؒ کے بمقام بالاکوٹ جامِ شہادت نوش فرمایا۔

اس وقت اور اس کے بعد علماؒ احناف کا کیا کردار رہا؟

مدرسہ غازی الدین ۱۷۰۰ء میں قائم ہوا لیکن ۱۸۲۵ء میں اس کو دہلی کالج میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس وقت مولانا رشید الدین خان مع اپنے تلمیذِ خاص مولانا مملوک علی نانوتوی کے دہلی کالج میں عربی پڑھانے کے لئے مقرر ہو گئے۔

بعدہٗ مولانا مملوک علی نانوتوی کے ارشد تلامذہ مثل مولانا ذوالفقار علی.. (والد مکرم مولانا محمود حسن شیخ الہند مرحوم) بریلی کالج میں پروفیسر اور شعبۂ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو گئے تھے۔ پینشن کے بعد دیوبند میں آنریری مجسٹریٹ رہے۔

۲۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی بھی بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے۔

۳۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کے والد بزرگوار مولینا فضل الرحمٰن دیوبندی ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء میں بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے۔

مذکورہ افراد وہ ہیں جنھوں نے ۱۸۵۷ء سے قبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کر کے تعلیم کے ذریعے عوام میں انگریزوں کی وفاداری کا شعور پیدا کیا۔

۱۸۶۳ء میں جب انگریزوں سے مولانا عبداللہ بن مولانا ولایت علی صادق پوری نے امبیلا لڑی جس میں انگریزوں کو بڑی خفت ہوئی۔ اس کے بعد جماعت مجاہدین کے خلاف بغاوت کے یکے بعد دیگرے پانچ مقدمے قائم ہوئے اور آخری مقدمہ ۱۸۷۱ء میں قائم ہوا۔

اس وقت علمائے احناف کا کردار یہ رہا کہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (مشہور احراری لیڈر) کے دادا مولوی عبدالقادر نے (اہل حدیث) سابقہ وہابیوں کے خلاف کتاب انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمساجد لکھی جس میں اہل حدیث کو مساجد سے اخراج کا ہی فتویٰ نہیں دیا بلکہ عوام کو قتل کرنے کی ترغیب دلائی۔

۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا۔ جس کے اکثر ارکان وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق قاری طیب صاحب بیان کرتے ہیں:

> "مدرسہ دیوبند کے ارکان میں اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر رہتے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔"[1]

ہر حکومت اپنے مخالفوں کی نگرانی کرتی ہے۔ وفاداری پر کس طرح شک کیا جا سکتا ہے۔

حق بات تو کبھی کبھی زبان پر آ ہی جاتی ہے۔ ایسے مواقع کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یک شنبہ لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے دارالعلوم دیوبند کا معائنہ کیا جس سے متاثر ہو کر جو ریمارکس دیے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

> "جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ پر کر رہا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے۔"[2]

یہ ہیں علمائے دیوبند کے وہ اکابر جنہیں آج کل جنگ آزادی کا ہیرو اور انگریز کا سب سے بڑا مخالف باور کرایا جا رہا ہے۔

---

[1] حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۴۷۔ [2] مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۲۱۷۔

یہاں تک کہ ہم نے صرف دیوبندی حضرات کے متعلق مختصر خاکہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد ہم عام علماء احناف کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔ سب سے اوّل علماء حجاز کے فتاوے نقل کئے جاتے ہیں۔

مکہ کے علماء کرام کا فتویٰ

سوال:۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ خدا آپ کے اقبال کو بلند کرے۔ کیا ملک ہندوستان میں جس کے حاکم عیسائی ہیں اور جو اسلام کے تمام احکام میں مداخلت نہیں کرتے، مثلاً روزانہ نماز، عیدین کی نماز وغیرہ وغیرہ۔ مگر اسلام کے بعض احکام کو چھوڑ دینے کو جائز سمجھتے ہیں مثلاً وہ اس شخص کو اپنے مسلمان آباؤ اجداد کا وارث قرار دیتے ہیں جو مرتد ہو گیا ہو۔ دارالسلام ہے یا نہیں۔ مندرجہ بالا سوال کا جواب دیں اور اللہ سے اس کا اجر پائیں۔

جواب ۱

الحمد للہ رب العٰلمین۔ رب زدنی علما جب تک اسلام کے بعض مخصوص احکام جاری ہیں وہ دارالاسلام ہے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور بے عیب ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

(دستخط جمال ابن عبداللہ شیخ عمر الحنفی مکہ معظمہ کا موجودہ مفتی)

جواب ۲

(نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وآلہ واصحابہ وذریاتہ اجمعین اھدنا الصراط المستقیم)

ہاں جب تک کہ اس میں اسلام کی بعض خصوصیات جاری ہیں، وہ دارالاسلام ہے۔

(دستخط احمد بن ذینی دحلان مکہ معظمہ کے شافعیؒ مذہب کا مفتی)۔

جواب ۳

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو ایک ہے اور خدا میرے علم کو بڑھائے۔ یہ امر وسو کی شرح میں مرقوم ہے کہ دار الاسلام اس وقت تک دار الحرب نہیں بن جاتا جب وہ کافروں کے ہاتھ میں چلا جائے بلکہ اس وقت دار الحرب بنتا ہے جب اس میں اسلام کے تمام یا بہت سے احکام جاری نہ رہیں۔

(دستخط بقلم خود حسین بن ابراہیم مالکی مذہب کا مفتی مکہ معظمہ)[1]

شمالی ہند کے علماء کا فتویٰ

استفتاء: مترجمہ سید امیر حسین پرسنل اسسٹنٹ کمشنر بھاگل پور۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ "ہندوستان میں جہاد جائز ہے؟ یہ ملک پہلے مسلمان بادشاہ کے ماتحت تھا اور اب عیسائی حکومت کے زیر اقتدار ہے۔ یہ عیسائی بادشاہ اپنی مسلمان رعایا کے مذہبی فرائض میں مداخلت نہیں کرتا۔ مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ نماز جمعہ اور نماز باجماعت اور مسلمانوں کو ان فرائض کی ادائیگی پوری پوری آزادی ہے وہ مسلمانوں کو پناہ دیتا ہے، بعینہٖ جیسے کوئی مسلمان بادشاہ دے گا۔ یہاں مسلمان رعایا کے پاس نہ اپنے حاکموں کے ساتھ لڑنے کی طاقت ہے نہ اس کے پاس ہتھیار ہیں برخلاف اس کے اگر لڑائی شروع کر دی جائے تو شکست ناگزیر ہے جس سے اسلام کی عزت کو نقصان پہنچے گا۔"

فتویٰ بتاریخ ۱۷ر ربیع الثانی مطابق ۱۷ر جولائی سنہ ۱۸۷۰ء اس جگہ مسلمان عیسائیوں کی امان میں ہیں اور اس ملک میں جہاد واجب نہیں جہاں اہل اسلام کو پناہ حاصل ہو، جہاد کے لئے ضروری کہ مسلمانوں اور کافروں کو پناہ اور آزادی حاصل نہ ہو

---

[1] ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ اردو طبع لاہور ص ۲۱۱، ۲۱۲۔

لیکن یہ حالت نہیں۔ مزید برآں یہ ضروری ہے کہ جہاد کیا جائے تو اس میں مسلمانوں کی فتح اور اسلام کی برتری کا قیاس غالب ہو۔ اگر اس قسم کے قیاس کا امکان نہ ہو تو جہاد ناجائز ہے۔

اس جگہ مولویوں نے ایک عربی متن درج کیا جو منہاج الغفار اور فتاوی عالمگیری سے منقول ہے۔

مہریں

مولوی محمد علی لکھنوی۔ مولوی عبدالحیٔ لکھنوی۔ مولوی فیض اللہ لکھنوی۔ مولوی محمد نعیم لکھنوی۔ مولوی مفتی سعد اللہ لکھنوی۔ مولوی رحمت اللہ لکھنوی۔ مولوی قطب[1] الدین لکھنوی۔ مولوی لطف اللہ رامپوری۔ مولوی غلام علی رامپوری۔

محمڈن سوسائٹی کلکتہ کا فیصلہ

شمالی ہندوستان کے علمأ کے فتویٰ کی مخالفت کرتے یعنی یہ کہ "ہندوستان دارالاسلام ہے"۔

مولوی کرامت علی یوں رقم طراز ہیں:

دوسرا سوال یہ ہے کہ ملک میں جہاد جائز ہے یا نہیں۔ لیکن اس کو پہلے سوال کے ساتھ حل کر دیا گیا ہے کیونکہ دارالاسلام میں جہاد کی اجازت کسی حالت میں بھی نہیں۔ یہ امر اس قدر واضح ہے کہ اس کی حمایت کے لئے کوئی دلیل یا مثال پیش کرنا ضروری نہیں ہے اب اگر کوئی گم کردہ راہ مجنون اپنی الٹی قسمت کی وجہ سے ملک ہندوستان کے انگریز حاکموں کے خلاف جنگ شروع کر دے تو اس قسم کی جنگ کو بغاوت تصور کیا جائے گا اور بغاوت اسلامی فقہ میں سخت منع ہے۔ اس لئے یہ جنگ بھی

---

[1] : مولوی قطب الدین لکھنوی نہیں دہلوی ہیں۔ فاضل مترجم نے یہاں سراسر بددیانتی سے کام لیا ہے۔ اور چند مصلحتوں کی بنا پر یہ حرکت کی ہے۔ اس کی تصدیق کے لئے اصل کتاب دیکھی جا سکتی ہے (از مترجم " ہمارے ہندوستانی مسلمان ")

ناجائز ہوگی ، اگر کوئی شخص کسی حالت میں بھی ایسی جنگ کرے گا تو مسلمان اپنے حاکموں کا ساتھ دینے پر مجبور ہوں گے اور ان کے ساتھ مل کر باغیوں سے جنگ کریں گے ۔ مندرجہ بالا امر صاف طور پر فتاویٰ عالمگیر میں موجود ہے ۔

ہمارے ہندوستانی مسلمان اردو صفحہ ۳۱۷-۳۱۶

جامعہ اہلحدیث میاں صاحب کا قیام

- خوبصورت ، پرکشش عمارت پاکیزہ صاف ستھرا ماحول
- دینی کتب پر مشتمل عظیم لائبریری
- آخری جماعت میں داخلہ لینے والوں اور تخصص فی الحدیث کے خواہشمند اہل علم کے لیے خصوصی مراعات اور معقول وظائف ۔
- آخری جماعت کے علاوہ ابتدائی تین جماعتوں میں بھی داخلہ کے خواہشمند طلبہ اپنی درخواستیں بمع علمی قابلیت کے سرٹیفکیٹ کے نقول ہمراہ بھجوائیں ۔

انتظامیہ اہلحدیث ٹرسٹ رجسٹرڈ
دفتر مرکزی جامع مسجد اہلحدیث کورٹ روڈ کراچی
فون : ۲۱۴۸۹۰

علماء دیوبند کے متعلق بھی لکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ آج دکل کے مؤرخ ، ادیب اور دانشور سب ہی یہ ثابت کرنے کی کوشش میں مشغول ہیں کہ سید احمد شہید کی تحریک اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ہیرو صرف اور صرف علماءِ دیوبند ہیں ۔ مولانا احمد سعید اکبر آبادی لکھتے ہیں

حضرت نانوتوی کا ارشاد

مولانا احمد سعید اکبرالہ آبادی لکھتے ہیں

لیکن چونکہ رسالہ کا اصل موضوعِ بحث دارالحرب میں "سودی لین دین" ہے اس بنا پر مولانا نے اس پر بڑی سیر حاصل بحث کے ضمن میں ایک بڑی دلچسپ بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ " اول تو ہندوستان دارالحرب نہیں دارالاسلام ہے لیکن اگر دارالحرب ہے بھی تو مسلمان کے لیے حسب روایات فقیہ پر کہاں جائز ہے کہ وہ دارالحرب میں قیام کر کے سود کھاتا رہے بلکہ حکم یہ ہے کہ سود دارالحرب میں لے اور اسے برتے دارالاسلام میں جو لوگ ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کہ اس میں سودی لین دین کو جائز قرار دیتے ہیں مولانا نانوتوی ان پر ایک نہایت لطیف قسم کا طنز کرتے ہوتے فرماتے ہیں ۔

> یہ بڑے عجیب وغریب قسم کے لوگ ہیں جب ہم کہتے ہیں کہ اچھا ! اگر ہندوستان دارالحرب ہے تو ہمیں ہجرت کرنی چاہیے ۔ اس پر وہ کہتے ہیں کہ یہ دارالاسلام ہے ۔ مگر جب ہم کہتے ہیں کہ یہاں سودی کاروبار جائز نہیں ۔

> تو جھٹ بول اٹھتے ہیں کہ یہ دارالحرب ہے، گویا چت بھی ان کی اور پٹ بھی ان کی، ہجرت سے بچنے کے لئے اس ملک کو دارالسلام کہہ دیا اور سود کھانے کے لئے اسے دارالحرب قرار دے دیا۔ سبحان اللہ![لہ]“

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نے لکھا ہے کہ اگرچہ راجح نزد ہیچمدان ہمیں باشد کہ ہندوستان دارالحرب است۔ (اگرچہ اس ہیچمدان کے نزدیک راجح یہی ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے)

تو ایسی حالت میں مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نے ہندوستان سے ہجرت کیوں نہ کی جیسا کہ وہ دوسروں سے مطالبہ کر رہے تھے اس کا یہ مطلب کیوں نہ اخذ کیا جائے کہ موصوف نے تحریر میں تو دارالحرب لکھا ہے لیکن حقیقت میں ہندوستان دارالحرب نہیں تھا اسی لئے یہاں سے ہجرت نہیں کی۔

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کے متعلق عام تاثر یہ ہے کہ موصوف ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے۔ جس کے متعلق مولانا سعید احمد اکبر آبادی تحریر کرتے ہیں:۔

”اصل یہ ہے کہ اب سے کم و بیش پینتالیس برس پہلے یعنی ۱۳۵۲ھ میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم کراچی نے دارالتبلیغ دیوبند ضلع سہارنپور کی طرف سے ایک رسالہ شائع کیا تھا جس کا عربی نام ” “ اور اردو نام ”کیا ہندوستان دارالحرب ہے“ تھا۔ مفتی صاحب اسی رسالے کے تعارف میں لکھتے ہیں:۔

> ”ہندوستان کے دارالاسلام و دارالحرب ہونے کا مسئلہ ایک عرصہ سے زیر بحث چلا آتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آج قطبِ عالم جنیدِ زمان ابو حنیفہِ وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وہ فتویٰ

[لہ]: نقشۃ المصدور اور ہندوستان کی شرعی حیثیت، ص ۴۳۔۴۴۔ طبع انڈیا۔

شائع کیا جاتا ہے جو آپ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے متعلق بعض اہلِ علم تلامذہ کے سوال کے جواب میں مفصّل ومکمل تحریر فرمایا ہے اور جس کی نقل حضرت ممدوح کے صاحبزادے حکیم مسعود احمد صاحبؒ نے احقر کو عطا فرمائی تھی اور حضرت کے اقارب وتلامذہ میں دوسرے متعدد حضرات کے پاس بھی اس کی نقلیں موجود ہیں"۔ لہ۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی دوسرے مقام پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:۔

"اب آیئے اصل تحریر پر گفتگو کریں جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحب نے جزم ویقین کے ساتھ بیان کیا اور لکھا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ واقعی حضرت گنگوہی کی تحریر ہے تو قطع نظر اس بات کے اس تحریر پر حضرت گنگوہی کے دستخط نہیں ہیں اور یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مسودات میں مفتی صاحب کو اسی طرح ملی تھیں جس طرح مولانا منت اللہ شاہ صاحب کے مسودات میں دستیاب ہوئی تھی۔ ایک بڑا اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اس تحریر میں حضرت گنگوہی نے پوری قوت وصراحت کے ساتھ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا ہے لیکن اور فتویٰ جو مطبوعہ ہے اور جس پر آپ کے دستخط اور مہر بھی ہے وہ فتویٰ اول کی تردید کرتا ہے چنانچہ ایک شخص نے سوال کیا "ہند دارالحرب ہے یا نہیں" اس کے جواب میں فرمایا:

"ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے۔ اور اصل مسئلہ میں کسی کو خلاف نہیں، اور بندہ کو خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے

رشید احمد عفی عنہ گنگوہی"

لہ:۔ نفثۃ المصدور اور ہندوستان کی شرعی حیثیت۔ ص ۳۲،

غور کیجئے کہاں وہ جزم و یقین اور کہاں یہ تردد و تذبذب، اس مؤخر الذکر فتویٰ پر جو تاریخ کندہ ہے۔ وہ ۱۳۰۱ھ ہے۔ پہلے فتویٰ پر نہ دستخط اور نہ تاریخ۔ لیکن قیاس کہتا ہے کہ اگر یہ واقعی حضرت گنگوہی کی تحریر ہے بھی تو فتویٰ ثانی پر یقیناً برسوں مقدم ہوگی۔ پھر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ۱۳۰۱ ہجری سے برسوں پہلے تو حضرت کو ہند کی کیفیت کا بخوبی اور واضح طور پہ علم تھا اور اس بناء پر آپ نے ملک کو دارالحرب قرار دے دیا۔ لیکن اس واقعہ کے برسوں بعد آپ کو ہند کی کیفیت کی خوب تحقیق نہیں رہی۔ اور اس لیے اب ہند کو نہ دارالسلام فرماتے ہیں اور نہ ہی دارالحرب۔ کیا کوئی معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس ترتیب کو باور کر سکتا ہے؟ [لہ]

یہ تو درست ہے کہ معمولی سمجھ کا آدمی اس ترتیب کو تسلیم نہیں کرے گا۔ لیکن بعض نام نہاد محقق ایسے فتووں کو اپنے P.H.D کے مقالے کی زینت بناتے ہیں۔ جس کی مثال ڈاکٹر معین الدین عقیل ہیں۔ جنہوں نے "تحریکِ آزادی میں اردو کا حصّہ" میں مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کے زیرِ بحث فتوے کو زینت بخشی ہے۔

اگر مذکورہ افراد برطانوی سامراج کی حکومت کو مستحکم کرنے کے باوجود مجاہد ہیں تو مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالویؒ نے مسئلہ جہاد پر جو کچھ لکھا وہ مذکور فتووں سے کچھ زیادہ اور ان سے مختلف نہیں ہے تو پھر موصوف پر برطانوی سامراج کا وفادار ہونے کا الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے۔؟

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا مصنف لکھتا ہے:

> "پھر بیسویں صدی کے آغاز پر دسمبر ۱۹۰۶ء بمقام آرہ (بہار) آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس وجود میں آئی جس کے سب سے فعّال کارکن مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ تھے۔ اہلِ حدیث کانفرنس کی کارروائی کم و بیش

[لہ] : نقشہ المصدور اور ہندوستان کی شرعی حیثیت ص، ۳۴۔ ۳۵۔

مولوی محمد حسین بٹالوی ؒ ہی کے انداز پر رہی"۔ [1]

ہر صاحبِ علم جانتا ہے کہ ۱۹۰۶ء میں کانگریس اور مسلم لیگ جنھوں نے ۱۹۴۷ء میں ہند و پاک کو آزاد کرایا۔ یہ دونوں جماعتیں بھی انگریز کی وفادار تھیں۔ علاوہ ازیں.. خاص علمائے دیوبند کا بھی اُس وقت کا کردار ملاحظہ فرما لیا جائے۔

آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کے وجود میں آنے کے مکمل تین سال بعد ۱۹۰۹ء میں جمیعۃ الانصار کے نام سے دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل طلبا کی جماعت قائم ہوئی۔

۱۵-۱۶-۱۷/ اپریل ۱۹۱۱ء کو مراد آباد میں ایک عظیم الشان اجتماع ہوا۔ جس میں مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نے جمعیۃ انصار کے اغراض و مقاصد کا اعلان کیا۔ ان میں ایک اعلان یہ بھی ہے:۔

> "ایسے چھوٹے چھوٹے رسائل بکثرت مفت شائع کرنا جن میں عقائدِ اسلام کی تعلیم، فرقہ آریہ کے جوابات اور وفاداریٔ گورنمنٹ کی ہدایات ہوں"۔ [2]

دیکھا کہ ۱۹۰۶ء سے مکمل پانچ سال بعد بھی گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری کی ہدایات جاری کی جا رہی ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ۱۹۲۷ء میں جمعیۃ علمائے ہند کا اجلاس پشاور میں ہوا۔ جس کی صدارت شیخ الہند کے تلمیذِ ارشد مولانا انور شاہ کشمیری نے فرمائی۔ موصوف نے خطبہ صدارت فارسی زبان میں پڑھا۔ جس کا بعض حصہ نقل کیا جاتا ہے:۔

> "ملکِ ما اگر دار الامان ست وما سکونت اندران داریم۔ باید کہ احکام ایں دار از کتبِ مذہب تلاش کنیم۔ استیعاب آں ایں وقت ممکن نیست

---

[1] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۶۸۔ [2] تذکرہ شیخ الہند۔ ص ۱۷۲۔

البتہ جملہ چند از معاہدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم با یہود مدینہ در ابتداء ہجرت از سیرت ابن ہشام نقل می کنم کہ نمونہ از نوعیت معاہدہ با غیر مسلم در غیر دار اسلام معلوم شود ۔"

" شاہ صاحب، ہندوستان کو دار العہد مانتے تھے۔ اسی وجہ سے پشاور کے مذکورہ بالا اجلاس میں حکومت ہند سے محکمہ قضا کے قیام کا مطالبہ کیا گیا اور اس سلسلے میں جو تجویز منظور ہوئی تھی۔ اس میں محکمہ سے متعلق یہ الفاظ بھی تھے " جو بحسب معاہدہ حکومت ہمارا شرعی حق ہے "[1]

مولانا سعید احمد اکبر آبادی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :

" اب رہی یہ بات کہ خود حضرت شاہ صاحب کا اس بارے میں خیال کیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک ہندوستان .. دار الحرب نہیں بلکہ دار الامان بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ فقہا کی اصطلاح میں (جس پر بحث آگے آرہی ہے) دار العہد تھا "[2]

دار العہد کے لئے ضروری ہے کہ فریقین میں معاہدہ ہو۔ جس کی ذمہ داری ان مؤرخین پر جو دیوبند کو تاریخ کا ہیرو ثابت کرنے میں اپنے قلم کا پورا زور خرچ کر دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اب وہ معاہدہ "معاہدہ" پیش کریں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سنہ ۱۹۲۷ء تک بھی دیوبندی حضرات کے نزدیک ہندوستان، برطانوی سامراج کے تسلط کے باوجود، دار الامان تھا۔[3]

---

[1] : نقشہ المصدور اور ہندوستان کی شرعی حیثیت، ص ۲۲ ۔ [2] : نقشہ المصدور اور ہندوستان کی شرعی حیثیت ص ۲۳ ۔ [3] : مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بھی ہندوستان کو دار الاسلام لکھا ہے ۔

مذکورہ بالا حالات میں اگر مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالویؒ نے "الاقتصاد فی المسائل الجہاد" لکھ کر شائع کر دی تو کون سا گناہ کیا۔ اہلِ حدیث پر الزام لگانے والوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے گریباں میں بھی جھانک کر دیکھیں۔

بعض مضمون نگار جب قادیانی جماعت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے ساتھ ہی جماعت اہلِ حدیث کا ذکر کر کے یہ تأثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے، کہ قادیانی جماعت اور اہلِ حدیث کے درمیان ظاہری اختلاف ہے۔ حالانکہ یہ نظریہ ہی غلط ہے۔ کیونکہ مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالویؒ نے جہاں سرسیّد احمد خاں اور احناف کے خلاف لکھا ہے، وہاں اُنھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف بھی خوب لکھا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تحریری فتویٰ مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر پر سب سے اوّل شیخ الکلؒ، الشیخ حسین بن محسن الیمانیؒ اور علامہ محمد بشیر سہسوانیؒ نے دیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے آخری جو دعا کی تھی کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے وہ بھی اہلحدیث عالم حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ کے لیئے کی تھی۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اہلحدیث ہر باطل تحریک کا مقابلہ کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ حسب استطاعت وتوفیقِ ربّانی اس میں کوتاہی نہیں کرینگے۔

محمد ابراہیم

مولانا محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہٗ کا شمار شیخ الکلؒ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے لیکن بعض مقالہ نویس موصوف کو سرسید احمد خاں کا ہمنوا ہم پلّہ ثابت کرتے ہیں۔ یہ بات واقعات کے خلاف ہے کیوں کہ ۱۸۸۰-۸۱ء میں موصوف نے کوشش کی کہ شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی کے فتوے کہ "ہندوستان دارالحرب ہے کہ اس کی اشاعت کر کے دوبارہ بغاوت کرا دی جائے۔ افسوس اس میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن آپ یہ کوشش برابر جاری

رہی کہ برطانوی سامراج کی ملازمت سے عوام کو دور رکھا جائے جس میں ایک حد تک کامیاب بھی رہے۔

دربھنگہ میں مدرسہ محمدیہ آپ ہی نے قائم کیا جو آج تک قائم ہے جس میں کتاب وسنت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں علماء کرام وہاں فارغ التحصیل ہونے کے بعد سلفی عقائد کی تبلیغ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عبدالعزیز رحیم آبادی

مولانا عبدالعزیزؒ اپنے الشیخ کی طرح وہابیوں کے مشہور لیڈر تھے۔ جب مولانا عبدالرحیمؒ صادق پوری صاحب "تذکرہ صادقہ" کو انگریزوں نے عمر قید کی سزا دیکر جزیرہ انڈمان بھیجدیا تب مجاہدین کی خدمات موصوف نے احسن طریقہ پر انجام دیں۔

علامہ شبلی نعمانی صاحب نے "سیرۃ النعمان" شائع کی جس میں محدثین کرام اور خاص کر امیر المومنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل بخاری پر حملے کئے گئے ہیں۔ اس کا جواب "حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان" لکھ کر عوام کے سامنے پیش کیا۔

مقلدین کی طرف سے آج تک اس کا جواب شائع نہ ہو سکا۔

عبدالحلیم شرر

مولانا عبدالحلیمؒ شرر ادبی دنیا میں اعلیٰ وارفع مقام پہ فائز تھے۔ آپ مختلف کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ کئی جرائد مثلاً مہذب، دلگداز وغیرہ کے ایڈیٹر رہے۔

پاکستان میں آج یہ نعرہ لگایا جاتا ہے کہ نظریۂ پاکستان علامہ اقبال نے پیش کیا۔

بریلوی مکتب فکر فرماتے ہیں کہ احمد رضا خاں بریلوی نے پیش کیا۔ حالانکہ نظریۂ پاکستان ۱۸۹۰ء میں جبکہ مسلم لیگ قائم بھی نہیں تھی۔ تب مولانا عبدالحلیم

شرر نے لکھا تھا جس کے متعلق جناب سید شریف الدین پیرزادہ لکھتے ہیں :

> " عبدالحلیم شرر نے ۲۳ اگست ۱۸۹۰ء کے "مہذب" کے ادارے میں فرقہ یں فرقہ وارانہ فسادات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اگر صورتحال اس حد تک پہنچ چکی ہے تو دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہندوستان کو ہندوؤں اور مسلمانوں میں آبادی کی منتقلی کی بنیاد پر تقسیم کر دیا جائے " [1]

گویا تقسیم ہندوستان کا نظریہ سب سے پہلے جس کو آج کل نظریہ پاکستان کہا جاتا ہے جس نے پیش کیا وہ بھی شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلوی وہابی کے شاگرد ہی تھے ۔

تصویر کا دوسرا رخ

۱۸۶۳ء کی ابتداء سے " وہابی " اپنے جان و مال کی قربانیاں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر پیش کر رہے تھے ۔

علماء احناف نے اس موقع کو غنیمت خیال کرتے ہوئے وہابیوں پر ایک کاری ضرب لگانے کی بھرپور کوشش کی ۔ جس کے لئے مجاہدِ اعظم مولوی عبدالقادر لدھیانوی کے فرزندِ ارجمند اور مولانا حبیب الرحمٰن رئیس الاحرار کے دادا مولوی محمد بن عبدالقادر نے ایک رسالہ بنام انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد تحریر کیا اور لدھیانہ سے پٹنہ پہنچ کر تقسیم کیا جس سے وہاں کے پُرامن حالت حنفی اور اہلِ حدیث کے جھگڑوں میں تبدیل ہو گئی کیونکہ مذکورہ رسالہ میں لکھا گیا تھا کہ اہلِ حدیث کو مسجد میں نماز تک ادا نہ کرنے دو بلکہ ان کا قتل تک جائز و مباح ہے ۔

دارالعلوم دیوبند کی تاسیس

دارالعلوم کی بنیاد ۱۲۸۳ھ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۶ اپریل ۱۸۶۵ء کو رکھی گئی یہ

---

[1] روزنامہ حریت کراچی ۲۲ مارچ ۱۹۸۳ء ۔

وہ وقت ہے کہ تمام وہابی لیڈروں اور ان کے اتباع کرنے والوں پر سامراج انگریز ظلم ڈھا رہا تھا۔ اس کی بنیاد رکھنے والوں میں کون حضرات شریک تھے۔

> "(مدرسہ دیوبند کے کارکنوں میں اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے۔ جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی" [1]

جن میں مندرجہ ذیل افراد مشہور و معروف گزرے ہیں۔

مولوی ذوالفقار علی والد شیخ الہند، مولوی فضل الرحمن والد مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولوی محمد یعقوب نانوتوی۔ ان کے متعلق جناب پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

> "مولانا احمد حسن، مولوی محمد منظہر اور مولوی محمد منیر تو بنارس کالج، آگرہ کالج اور بریلی کالج میں ملازم ہوئے اور مولوی ذوالفقار علی، مولوی فضل الرحمن اور مولوی محمد یعقوب نانوتوی محکمہ تعلیم ہی میں ڈپٹی انسپکٹر بھی رہے" [2]

مولانا غلام دستگیر افغانی فرماتے ہیں:

> "برصغیر کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء دیوبند حکومت کے وظیفہ خوار تھے اور دار العلوم دیوبند کی حکومت کی جانب سے امداد ملتی تھی" [3]

غالباً یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کی موجودگی میں ۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ کو لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمیٰ "پامر" نے مدرسہ کو دیکھا اور اس نے جو رائے قائم کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

> "جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ

---

[1] حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲، ص ۲۴۷۔ [2] مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۲۶۔ [3] روزنامہ جنگ ۲۴ر جنوری ۱۸۸۳ء ص ۲۔

تنخواہ دے کر کرتا ہے۔ وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد معاون سرکار ہے"۔[1]

اب مولانا رشید احمد گنگوہی کے متعلق بھی ملاحظہ فرمائیں کیونکہ بقول جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف موصوف بڑے مجاہد تھے۔ جب وہابیوں کے لیڈر جزیرہ انڈمان سے رہا ہو کر واپس ہندوستان آکر آباد ہو چکے اسی زمانہ میں موصوف سے سوال کیا گیا:

> "ہند بقول امام یا صاحبین رح کہا دارالحرب ہے اگر نہیں تو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی نے صراط مستقیم میں کس وجہ عصر ماضیہ میں اکثر کی نسبت ایسا لکھا ہے اور فتنہ سابقہ میں اکثر اکابر اعلاءِ کلمۃ اللہ کی طرف کیوں مائل تھے اگر مستامنین قرار دے کر ارتفاع امان کو علت کہا جاوے تو یہ بھی محل تامل ہے۔ بینوا بالتفصیل"۔

> **جواب:** ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے۔ بظاہر تحقیق حال بندہ کی خوب نہیں ہوئی۔ حسب اپنی تحقیق کے سب نے فرمایا ہے اور اصل مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ واللہ اعلم رشید احمد عفی عنہ گنگوہی۔

رشید
احمد ۱۳۰۱ھ [2]

مذکورہ بالا فتوی ۱۳۰۱ھ کا انگریزی ۸۴-۱۸۸۳ء ہے گویا مکمل ۲۶ سال سے قبل ۱۸۵۷ء میں کس طرح جہاد ہو گا جبکہ ۸۴-۱۸۸۳ء تک موصوف کو ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی تحقیق ہی مکمل نہ ہو سکی تھی۔

---

[1] مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۷، ۱۲۔ [2] اب جو فتاوی رشیدیہ شائع کیا گیا ہے اس میں ۱۳۰۱ھ کو حذف کر دیا ہے۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری علماء دیوبند کی توصیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک بہت بڑا سانحہ یہ تھا کہ ولی اللہ جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ایک گروہ نے حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور اقتدار کے مدرسے سے وفاداری کا سرٹیفکیٹ حاصل کر کے کاسہ لیسی کی زندگی کو اپنا شعار بنالیا۔ دوسرا گروہ حق کے اسی جادہ قویمہ پر استوار رہا۔ جو امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حکمت بالغہ نے مسلمانانِ ہند کے لئے متعین کیا تھا۔ اس گروہ کے رہنما حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ [1]

جناب ڈاکٹر صاحب دارالعلوم دیوبند اور مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمن اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے متعلق پڑھ کر بتائیں کہ آپ کے فرمان میں کہاں تک صداقت ہے۔

محمد مبارک

۱۰۱- ای ۱۲۷۴ الصدف کالونی

اورنگی ٹاؤن کراچی نمبر ۴۱ ۔

المکتبة الرحمانية
2131

---

[1] :- روزنامہ جنگ ۲۰ مارچ ۱۹۸۰ء ۔